عِبادُ الرَّحمٰن

مردانِ حُر

میر غلام احمد کشفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انتساب

میں اپنی اس حقیر علمی اور معاشرتی خدمت کو اپنے والد محترم صوفی میر محمد سلطان (مرحوم) کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جنہوں نے اپنی عمر کا بہترا ور بیشتر حصّہ خدمت خلق اور اشاعت قرآن کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

میر غلام احمد کشفی

میر غلام احمد کشفی

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ

مردانِ حُر

میر غلام احمد کشفی

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No 080029
MAILSI
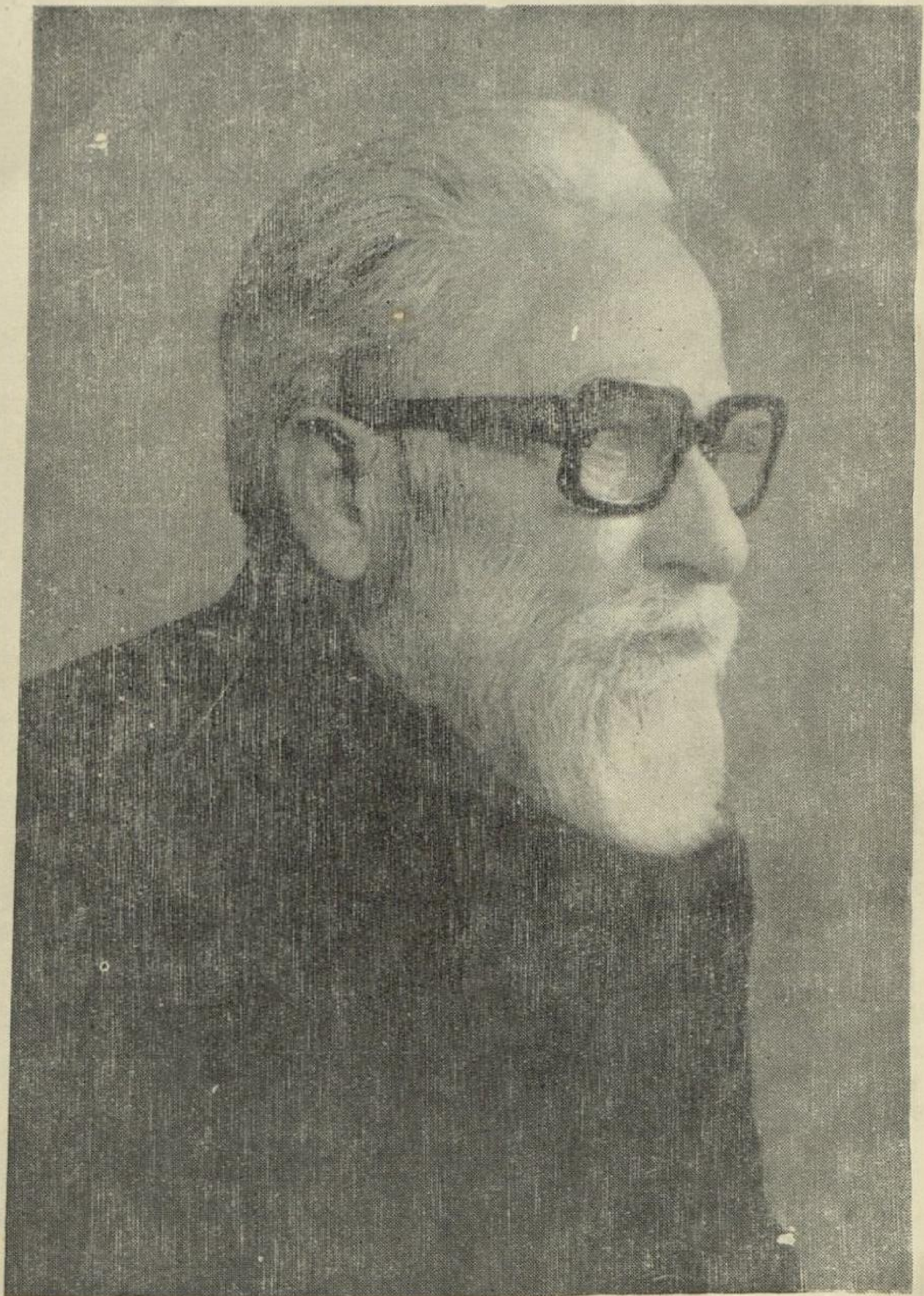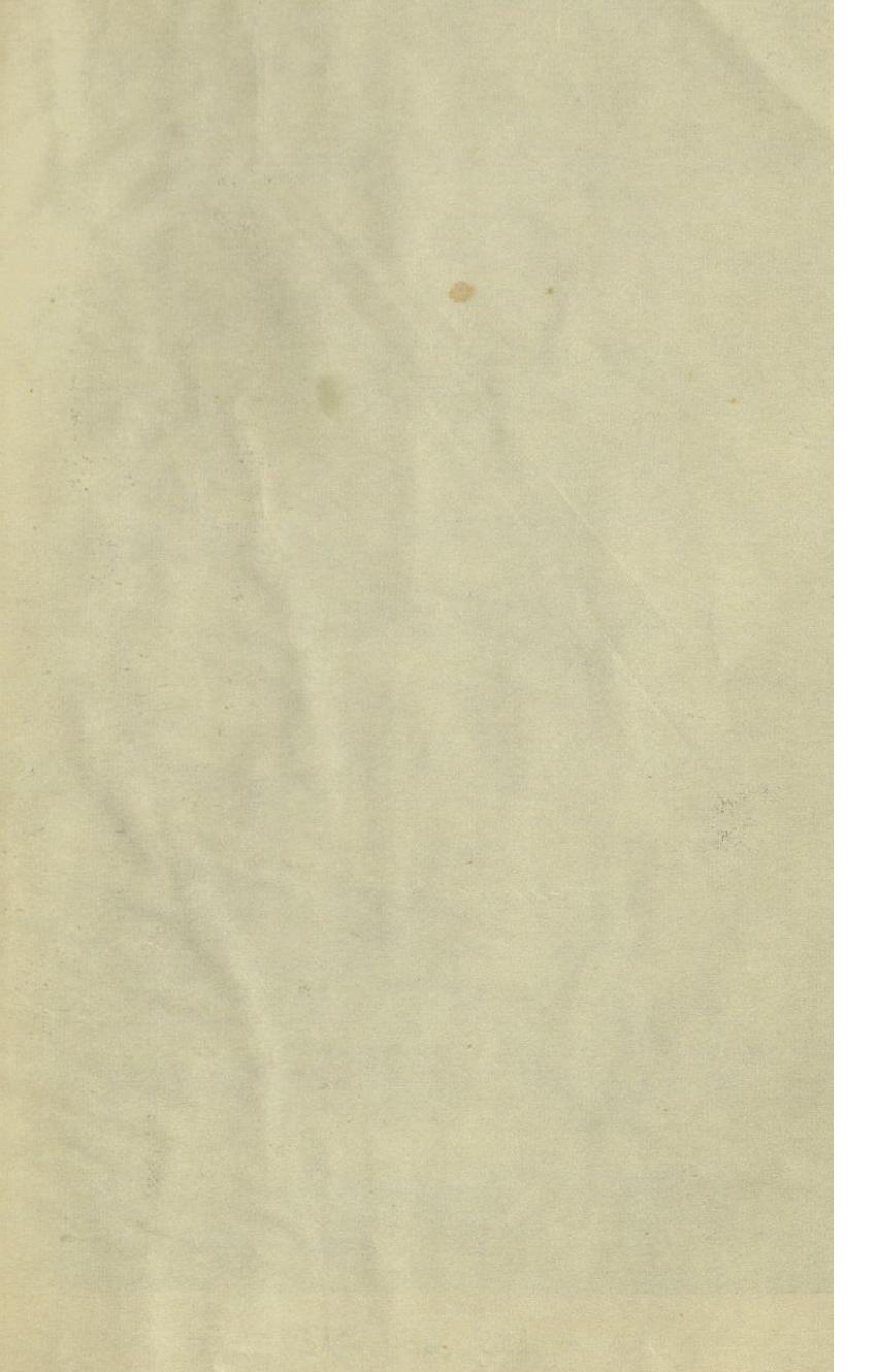
ای کہ از خم خانۂ فطرت بجامم زیختی
زآتش صہبائے من بگداز مینائے مرا
عشق را سرمایہ ساز از گرمیٔ فریاد من
شعلۂ بیباک گرداں خاک مینائے مرا
چوں سپہرم از غبار من چراغ لالہ ساز
تازہ کن داغ مرا سوزاں بصحرائے مرا

170
4734

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

Masood Faisal Jhandir Library

تبرّکات

والدِ محترم کی چند نظمیں اور ان کا ترجمہ

زاَن والہِ کرزاَں یار — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار
پردہ ژال از درده نار — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار
ییتہ آو سور اِنکار — تنتہ دگنیار دِس پیو
دین لہ رود دوگنیار — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار
ییر چھُم مقامِ اسرار — سیر حق بوڈُ نے
ہو ڈَنم نورِ انوار — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار
ہٹہ مے گنڈ محنتہ ہار — گٹہ منزہ گاہ تر دونم
حال شاہ چھی لعل بازار — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار
شمسک معنی ژار — تتھہ نہایت کرچھوے
تتھہ عالمس نوشو مار — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار
میر سلطان ہوشیار — زیر و بم مشر ونم
سوئی گوکار ازکا — ہر موکھہ ڈُچھہ دیدار

ترجمہ

۱۔ مئے معرفت کے متوالے (ذات باری تعالےٰ کی معرفت حاصل کر) تو تمہیں ہر جگہ اور ہر طرف اسی کا جلوہ نظر آئے گا۔

۲۔ تم ظاہری پردوں کو عشقِ الٰہی کی آگ سے جلا دو، تاکہ تمہیں ہر طرف اور ہر چیز میں وہی جلوہ گر دکھائی دے۔

۳۔ جب انسان ماسوائے اللہ سے منہ موڑتا ہے۔ پھر خدا اور اس کے بندے میں دوئی نہیں رہتی اور جب دوئی نہ رہی تو تمہیں ہر جگہ اور ہر طرف اسی کا جلوہ نظر آئے گا۔

۴۔ میرا مرشد (حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) ان اسرار کا مرکز ہے۔ اسی نے یہ راز مجھ پر فاش کر دیا۔ اسی نے مجھے نورِ حق سے آگاہ کیا اور اب مجھے ہر طرف اور ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

۵۔ جب میں نے یہ موتی مالا اپنی گردن میں ڈال دی۔ اس نے میرے لئے اندھیروں کو روشن کر دیا یہ جذب وشوق اسی ہیروں کی منڈی سے ملتا ہے اور انسان ہر طرف اسی کا جلوہ دیکھتا ہے

۶۔ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں، سورج ہی کو دیکھو وہ ایک محدود چیز ہے اور اس کی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے خدا کی ہستی لامحدود ہے لہٰذا اس کا جلوہ بھی ہر جگہ موجود ہے۔

۷۔ میر سلطان فرزانہ تھا کہ اس نے ساز وسنطور سے منہ موڑا۔ یہ بہت بڑا کام تھا۔ اسی وجہ سے اس کو اب ہر شے میں اور ہر طرف خدا کا ہی جلوہ نظر آتا ہے۔

کعبۂ دیں

(نعتِ نبیؐ)

لے کر کلمس، علمس، حلمس

ژون یارن بَرمائے ——— اوہ نور پوری زوال

دَمہ دَمہ غم برُ کعبس خم کر

لاگ مو بے پروائے ——— بیہ چھہ امرِ خدا پال

ہرپان یکساں ازدل جانِ زال

غیر زان بیہ ہمسائے ——— بیہ چھہ امرِ خدا پال

محشرک ڈرچھی ملکن تہ فلکن

لاگن یلہ تژہ تائے ——— ترسن غوث ابدال

واچھگام سلطان بوز بوز مندِ چھان

کرِہ کیا بے سرمائے ——— بنیس چھوس روشن حال

ترجمہ

تو جو زوال سے بچنا چاہے علم اور حلم کا خوگر ہو
کلمے کی مالا میں چاروں یاروں کو پرو
ایک نفس بھی غافل مت ہو کعبۂ دیں کا ہے خیال
یاں کے بھٹکے ہوؤں کا مقدر اندھا اندھیارا پاتال

سب تیرے اپنے ہیں یہاں پر انجانے ہمسائے سبھی
ایک ہی ماں کے جنے ہیں سارے ایک ہیں اپنے پرائے سبھی
جس محشر سے سہمے ہوئے ہیں غوث، ملک، فلک، ابدال
پیارے نبی کا سایہ نہ ہو تو کیا ہوگا سلطان کا حال

ایک غزل کے دو شعر

پامہٕ دِی دِی یُدرِ مِہٕ زالن پچھ زلیخاۓ ہر طرف
زانہہ نہٕ تراون شاہِ یوسف نیک نامی رِوسۓ

دپ مہٕ پیرس وتھ مہٕ ہادم ول کڈم دِل آم تنگ
تم تہٕ ہوونم "نَحنُ اَقرب" خوش مقامے وِسۓ

ترجمہ

۱۔ سکھی! چاہے ساری دُنیا مجھے طعنے دے کر جلا بھی ڈالے۔ جب بھی میں اپنے محبوب شاہ یوسف کو نہیں بھلاؤں گی۔ کیونکہ میرے نزدیک عشق کو نبھلنے میں ہی نیک نامی ہے۔

۲۔ سکھی! میں نے اپنے مُرشد سے کہا کہ مجھے خُدا سے ملنے کا راستہ دکھا دو۔ میرا دِل اس دُنیا کی عیاریوں سے تنگ آگیا ہے۔ اُس نے کہا کہ خدا تو تمہارے دِل میں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"۔ سو اُس کو اپنے دل میں تلاش کرو۔ وہیں پاؤ گے۔

نعت نبیؐ (نامکمل)

دُورہ ڈیٹھام نورِ رخسار — ژورہ یار کوئے رودمے

یہ چھہ خوجیارہ بلہ کوی ناوہ تار — تارہ تارہ پا نہ سرکار

تتہ وسیلہ چھی نبی تہ زور یار — ژورہ یار کوے رودمے

سلطانو ون تسو زار — عشقہ سدرس یدلبکھ تار

تراوُ ہستی ید لیکھ جبّار — ژورہ یار کوے رودمے

ترجمہ

مَیں نے دُور سے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کا نورانی چہرہ دیکھا تھا۔ نہ معلوم پھر وہ جانِ جہاں مجھ سے کیوں چُھپ گیا۔

یہ دُنیا ایک دریا ہے۔ جس کو خدا ہی عبور کرائے گا۔ البتّہ اِس گھاٹ پر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم اور چہار یار باصفا رضوان اللہ علیہم اجمعین ہماری سفارش کریں گے اور اس طرح ہماری مشکل آسان ہو گی۔

میر سلطان تم خُدا کی بارگاہ میں عجز و زاری کرو تاکہ تم عشقِ الٰہی کے سمندر سے پار اُتر جاؤ۔ اپنے آپ کو بھول جاؤ تاکہ اُس جبّار و قہار خُدا کے ساتھ تمہارا رشتہ مضبوط ہو جائے اور تمہیں حضرت سرورِ دو عالم کی شفاعت حاصل ہو جائے۔

تعارف

یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں فطری تقاضوں کے مطابق زندگی کی تمام حقیقتوں میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کی گئی ہے۔ اس مسلمہ حقیقت کی دنیا کے دانشور اور انسانی مسائل کے ماہر ہر دور میں تصدیق کر چکے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے پیچیدہ اور نامکمل اصولوں سے تنگ آ کر جب کمیونزم کی داغ بیل ڈالی گئی تو اس میں بھی اسلامی مساوات کو ہی مشعلِ راہ بنایا گیا اور جب لیگ آف نیشنز اور ادارہ اقوام متحدہ نے انسانی مسائل کو باحسن حل کرنے کی جستجو شروع کر دی تو اس کے منشور اور انسانی حقوق کے پروانہ میں بھی ان ہی حقیقتوں کو اُجاگر کیا گیا جن کو آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور جو ابد تک بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

قومی زندگی کو ایک متوازن سطح پر قائم رکھنے کے لئے معاشرتی کردار کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ موجودہ دورِ ترقی میں بھی قوموں کے عروج و زوال کا انحصار بہت حد تک معاشرتی سلامتی پر ہی ہے جس ملک یا قوم کی معاشرت میں بے اعتدالی راہ پاتی ہے ان کے لئے زندگی کو متوازن رکھنا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ بسا اوقات اِسی بے اعتدالی کا شکار ہو کر عزت و وقار کھو بیٹھتے ہیں۔

اسلام ایک آفاقی انسانی مذہب ہے جس نے خوشگوار اجتماعی زندگی گذارنے پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے اور اس لحاظ سے معاشرتی کردار ہماری کامیاب زندگی کا

سنگِ بنیاد ہے۔ معاشرہ کے کردار کو متوازن اور قابلِ تقلید بنانے کے لئے اسلام نے ہر شعبۂ زندگی کے لئے بنی نوع انسان کو ایسے اصول اور ایسی ہدایات دی ہیں جن کی بنیاد فطرت اور اعلیٰ انسانی اقدار ہیں۔ یہ اصول و آئین نہایت سادہ بھی ہیں اور قابلِ عمل بھی، جن پر چل کر انسانی معاشرہ اُن بلندیوں کو حاصل کرتا رہا ہے جو بحیثیت اشرف المخلوقات ان کا حق ہیں ان ہی معاشرتی اصولوں نے ریگ زارِ عرب کے بدوؤں کی زندگی کو وہ جلا بخشی کہ وہ دنیا کے معلّمِ اخلاق قرار دیئے گئے۔

امتدادِ زمانہ، منبع سے دوری اور ماحول کے اثرات سے بعض اوقات اچھے اچھے اصول بھی فراموش کئے جاتے ہیں جس سے معاشرہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے بدقسمتی سے فی زمانہ یہ کمزوری ہمارے معاشرہ میں بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے ہر طرف سے یہی آوازیں آتی ہیں کہ ہمیں اپنا کردار اسلام کے بلند و بالا اصولوں پر استوار کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے معاشرتی اصولوں کی کثرت کے ساتھ اشاعت کی جائے۔ مسلمانوں کو اپنا شاندار ماضی یاد دلایا جائے تاکہ وہ نقائص کم سے کم عرصے میں دور ہو سکیں جو ہماری معاشرتی زندگی میں شعوری یا غیر شعوری طور پر داخل ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے صاحبِ علم و فراست لوگ پریشان ہیں۔

"عباد الرحمٰن" یا "مردانِ حُر" میں اس ضرورت کو پورا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کتاب کے چھوٹے چھوٹے ابواب میں سے ہر باب میں کسی نہ کسی معاشرتی اصول اور مسئلہ پر دقّتِ نظر کے ساتھ خامہ فرسائی کی گئی ہے اور شروع سے لے کر آخر تک قرآنِ پاک کے اس اصول کو مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ بندگانِ خدا کو حکمت و موعظت کے اصولوں کے تحت خدا کے بتلائے ہوئے راستوں کی طرف بلاؤ۔ معاشرتی اصولوں کو نہایت سادہ، سلیس اور عام فہم زبان میں واضح کیا گیا ہے جس کی اشاعت سے میری دانست میں سماجی زندگی میں خوشگوار تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ کتاب کے مندرجات کی بنیاد، قرآن کریم، حدیثِ

نبوی اور حضرت ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر رکھی گئی ہے جو عام انسانی ذہن کو اپیل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک سچے مسلمان کے لئے متاعِ حیات ہے۔

میر غلام احمد صاحب کشفی ریاست جموں وکشمیر کے پُرانے اور منجھے ہوئے صحافی ہیں جو تحریک آزادیٔ کشمیر میں وطن میں بھی نمایاں کردار ادا کر چکے ہیں اور دورِ ہجرت میں بھی اپنے قلم کو اسی خدمت میں مصروف رکھنے کا شرف رکھتے ہیں۔ ان کی تصنیفات "کشمیر ہمارا ہے" "حرم کے پاسباں" "کشمیری زبان وادب" "کشمیری بول" اور "مسئلہ کشمیر" اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ اُن کا قلم ہر دور اور ہر حال میں ملّتِ اسلامیہ کی خدمت کے لئے وقف رہا ہے ان کی یہ تازہ تالیف "عباد الرحمٰن" یا "مردانِ حُر" بھی اسی جذبہ کی آئینہ دار ہے۔ خدا کرے ان کی اس ملّی خدمت کو قبولِ عام کا درجہ حاصل ہو (آمین)

خورشید حسن
16.12.74

(کے۔ ایچ خورشید بار ایٹ لار)
صدر جموں وکشمیر لبریشن لیگ
سابق صدر آزاد حکومت جموں وکشمیر
وسکرٹری حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ

راولپنڈی
۱۷ دسمبر ۷۴ء

حرفِ مدّعا

نیکی اور بدی کی قوتیں کائنات عالم میں ابتدائے آفرینش سے موجود بھی ہیں، اور برسرِ پیکار بھی۔ یہ سلسلہ آئندہ بھی تا ابد جاری رہے گا۔ اوّل اس لئے کہ چیزوں کا حسن و جمال اضداد سے ہی نکھرتا ہے باغ میں رنگا رنگ پھول اور ان کے ساتھ کانٹے نہ ہوں تو باغ بے کیف ہو کر رہ جائے ؂

گر نبودے در مقابل روئی مکروہ وسیاہ

کس چہ دانستے جمالِ شاہدِ گلفام را

دوسرے اس لئے کہ جو چیز بے محنت و طلب ملے اس میں وہ لطف اور ملاحت نہیں ہوتی جو اس چیز سے حاصل ہوتی ہے جو جہد و طلب سے حاصل ہو۔ انسان کی قوت جہد و طلب کو اُبھارنے کے لئے ضروری ہے کہ نیکی اور بدی ساتھ ساتھ رہیں۔ نیکی اور بدی کی نشان دہی کے لئے فطرت کے قوانین موجود ہیں جن کو انبیاء کرام علیہم السّلام اپنے اپنے زمانے میں اُجاگر کرتے رہے اور آخر میں خدا نے نبی نوعِ انسان کو وہ کامل و اکمل شریعت اور مفصل لائحہ عمل دیا جو قرآنِ پاک کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ہم نے نیکی اور بدی کے راستوں کو واضح کر دیا۔ اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی قوتوں اور فطرت کے قوانین سے استفادہ کر کے اپنے لئے صحیح راہِ عمل مقرر کرے اور اس پر یقین محکم کے ساتھ کاربند رہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے قرآن کریم میں تمام مسلمہ صداقتوں کو جمع کیا ہے اور دنیا میں ایک مردِ کامل کو اس لئے بھیجا کہ وہ اپنے

اسوہ حسنہ کے ذریعہ اِن صداقتوں پر عمل کر کے دکھائے اور دنیا کو بُرائیوں کے بد اثرات سے نجات دلائے، وہ حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے

ان حقائق کو مدِ نظر رکھ کر یہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں کہ معاشرہ میں کبھی بدی پھیل جائے اور کبھی نیکی عام ہو جائے۔ یہ بھی انسان کی علو ہمتی کا ایک امتحان ہے کہ اگر معاشرہ میں بدی عام ہو جائے تو وہ اس کو ملیا میٹ کرنے کے لئے اپنی خداداد صلاحیتوں سے کس حد تک کام لے کر شرفِ انسانیت حاصل کر سکتا ہے۔ امتدادِ زمانہ، اپنے منبع سے دوری اور ماحول کے اثرات کی وجہ سے ہمارے اسلامی معاشرہ میں بھی کچھ خرابیاں آ گئی ہیں جن کی وجہ سے ہماری ملی زندگی کھوکھلی ہو گئی ہے۔ اس ابتلاء کے دور میں مسلمانوں کا حساس طبقہ مستقبل کے بارے میں تشویش میں پڑا ہوا ہے اور بے حس طبقہ معاشرہ کی ان خرابیوں کو دیکھ کر ہنس دیتا ہے کہ چلو اس حمام میں سب ننگے ہیں لیکن یہ صورتِ حال ملی، ملکی اور معاشرتی لحاظ سے نہ تو قابلِ قبول کہلا سکتی ہے اور نہ سود مند، اس لئے کہ ہمارا فرض ہے کہ اپنے اعمال کو سنوارنے کے ساتھ ساتھ اپنی معاشرتی اور اجتماعی زندگی کو بھی دنیا کے لئے بہترین نمونہ بنائیں۔ اس لئے کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی یہی قرار دیا ہے کہ وہ ہمیشہ بدیوں کے خلاف جہاد کرے، اور نیکیوں کو عام کرنے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے۔

موجودہ حالت کو دیکھ کر ہر شخص جو سٹیج پر آتا ہے ایک بار نعرہ ضرور لگاتا ہے کہ ہمیں اسلامی ضابطۂ حیات پر چل کر قومی زندگی کو سنوارنا چاہیئے لیکن عملاً اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس کام نہیں کیا جاتا۔ قومی بے حسی کی وجہ سے یہ الزام بھی حکومت پر ہی لگایا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو قانون کے ذریعہ مسلمان کیوں نہیں بناتی۔ لوگ قانون کے ذریعے مسلمان نہ بنے تھے نہ بنیں گے اسلام وہ ضابطۂ حیات ہے جس کا تعلق دل اور اعتقاد کے ساتھ ہے اور پھر الٰہی قانون ہمارے سامنے موجود ہے اگر اس قانون کے ذریعہ معاشرہ میں اصلاح کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ دوسرا کون سا قانون ہوگا جس سے لوگ یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ معاشرہ کی بگڑی بنائے گا۔ اور پھر یہ نعرہ

ہی کافی نہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے' ضروری ہے کہ دنیا کو اس ضابطۂ حیات کی ایک ایک شق سے روشناس کرایا جائے تاکہ لوگ اس پر چل کر اپنے اعمال کو صحیح سانچے میں ڈھالیں جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ڈھالا تھا۔

قرآن کریم ایک بحرِ ذخار ہے جو ہدایت کے موتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہر صاحب ہمت اس بحرِ بیکراں میں غوطہ لگا کر کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کرتا ہے لیکن یہ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اس سمندر کی انتھاہ گہرائیوں تک پہنچ گیا ہوں۔ اس کتاب کے مؤلف نے اپنے فہم و دانش کے مطابق قرآنِ پاک کے ان انمول موتیوں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی ہے جن کا تعلق ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگی کے چند عام پہلوؤں کے ساتھ ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس سلسلہ میں میں نے تفصیلات کا احاطہ کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ محض ایک راہنمائی ہے کہ اس کے ذریعہ نیکی کے متلاشی منزل مقصود کا نشان پائیں اور اپنی سعی و کوشش سے ان راستوں کو ہموار کریں جو ہماری معاشرتی زندگی کی گاڑی کو منزلِ مقصود تک پہنچا سکے۔ ہر مسلمان خواہ وہ کسی طبقے کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ اسلام کا مبلغ ہے اس لئے ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کریں، بُرائیوں کی نشان دہی کریں تاکہ ہمارا معاشرہ ان بُرائیوں سے پاک ہو جائے جو آج کل ہم میں عام ہو رہی ہیں۔

قرآن کریم میں "عباد الرحمٰن" یعنی "مردانِ حُر" کی زندگیوں کا مفصل تذکرہ موجود ہے کہ یہ لوگ کس طرح اپنی زندگیوں کو آستانہ الوہیت پر لا ڈالتے ہیں اور کس طرح دوسروں کو سچائی اور استقلال کی تلقین کر کے بُرائیوں کو جڑ سے اکھیڑنے کی سعی پیہم میں مصروف رہتے ہیں اگر ہم اپنی زندگیوں کو اس ڈھب پر لائیں تو یقیناً وہ معاشرتی نقائص دُور ہو جائیں گے جو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے ایک چیلنج بنے ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے قوموں کی برادری میں ہم اپنے آپ کو کمتر سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ ہم نے معمورۂ عالم کے معلم اخلاق کے فرائض کامیابی کے ساتھ انجام دیئے ہیں۔ ہم نے دنیا میں انسانیت کو سربلند کیا ہے۔ ہم نے دنیا کو آزادی اور جمہوریت

سے روشناس کیا ہے اس کے باوجود اگر ہم اپنی خودی کو بھول رہے ہیں تو یہ بہت بڑی نادانی ہوگی جس کا ازالہ فوراً کیا جانا چاہیئے۔

ہم دوسروں کے ان ناقص اصولوں کو اپنا رہے ہیں جن سے وہ خود نالاں ہیں اور اپنے ان اعلیٰ اصولوں کو چھوڑ رہے ہیں جن کو اپنا کر دنیا مالا مال ہو رہی ہے آپ یقین جانیں کہ یورپی ممالک جہاں جہاں اسلامی اصولوں پر کاربند ہیں وہاں وہ کامیاب اور مطمئن زندگی گذار رہے ہیں حسن اخلاق، تہذیب و شائستگی، مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی، معاملات میں دیانتداری، کردار میں بلندی، آزادی اور جمہوریت کے ساتھ محبت، خدا کے بندوں کی بھلائی کے لئے کام وغیرہ یہ سب چیزیں مسلمانوں کا ورثہ ہیں جس سے دوسرے فیض یاب ہو رہے ہیں اور جہاں وہ لوگ اسلامی تعلیم سے انحراف کرتے ہیں مثلاً عائلی زندگی میں، عریانی اور بے حیائی میں، فسق و فجور اور بدکاری میں، خدا کی زمین پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں وہاں ان کے لئے زندگی ایک زندہ جہنم بن گئی ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے وہ لوگ بے قرار ہیں۔ اس دوزخی زندگی سے ان لوگوں کو بھی اسلام اور قرآن کریم ہی بچا سکتا ہے جس کی تبلیغ ہمارا فرض ہے۔ یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یورپ نے اسلام اور مسلمانوں کی خوبیوں کو اپنا کر اپنے معاشرہ کا لوہا منوایا اور ہم نے ان کے معاشروں کی برائیاں اپنا کر اپنی زندگی کو عذابِ مسلسل بنا دیا۔ آیئے ہم اس نقصان دہ زندگی سے خود بھی چھٹکارا حاصل کریں اور اپنے معاشرہ کو بھی ان تمام باتوں سے پاک کریں جو اسلامی اصول اور فطرت کے قوانین کے خلاف ہیں۔ یہی اس تالیف کا مقصد ہے اور اسی نظریئے سے میں اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

مخلص

میر غلام احمد کشفی

یوں تو خیر اُمت ہونے کے لحاظ سے ہر مسلمان مرد، عورت، بچہ اور بوڑھا اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ بُرائیوں کے خلاف جہاد کرے اور نیکیوں کو عام کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے، خصوصاً اس زمانے میں جس کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ زمانہ کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، انسانی معاشرہ اپنی بداعتدالیوں کی وجہ سے تباہی اور بربادی کی طرف جا رہا ہے سوائے ان لوگوں کے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کو سچائی اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ قرآن کریم ایک دائمی اور مکمل لائحہ عمل ہے اس کے تمام احکام آفاقی اور ہر زمانہ کے لئے ہیں۔ سورۂ عصر کے یہ ارشادات اس زمانے پر حرف بحرف صادق آتے ہیں اور ان احکام کے مطابق جہاں ہر صاحبِ ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرے وہاں اس کو یہ تاکید بھی کی گئی ہے کہ وہ باہمی اشتراک اور تعاون کے ذریعہ معاشرہ کو راہ راست پہ لانے کی انتھک جد وجہد کریں۔

اس عمومی حکم کے علاوہ بعض ادارے اس قسم کے ہیں جو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مفید کام کرسکتے ہیں اور ان پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے کہ وہ معاشرہ کو سنوارنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیں۔ ان اداروں میں پہلا نمبر علماء کرام کا ہے جن کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اپنے علم و دانش اور واقفیت کی وجہ سے نیکی اور بدی کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اور یہی لوگ سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں ایسی

وجہ سے اس گروہ پر اصلاح کی سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے نورِ اسلام کی ضوٗباری مساجد سے شروع ہوتی ہے۔ مساجد اُمت مسلمہ کی اخلاقی اور روحانی درس گاہیں ہیں جہاں دن میں پانچ دفعہ مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اپنی پیشانیاں عجز و انکسار کے ساتھ خدا کے حضور جُھکاتے ہیں۔ ان ہی مساجد میں علماء کرام بطور امام، لیڈر اور راہنما کام کرتے ہیں اور اس ڈیوٹی کو خدا کا عاید کردہ فرض سمجھتے ہیں۔ اگر مساجد میں ہر نماز کے بعد اور پہلے معاشرہ کی اصلاح کے لئے قرآنی احکام لوگوں کو ذہن نشین کرائے جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا معاشرہ کم سے کم وقت میں بُرائیوں سے پاک نہ ہو لیکن یہ کتنا افسوس کا مقام ہے کہ ان روحانی تربیت کے مراکز میں اب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ تکفیر بازی کی جاتی ہے اور دلیل و منطق کے ذریعے اپنے مقاصد کو بیان کرنے کے بجائے طنز و مزاح اور بدکلامی سے عوام میں انتشار پھیلایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کی تنقیص کی جاتی ہے۔ حالانکہ مسلمان کے لئے حکم ہے کہ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اسے بھی کافر مت کہو۔ سو ہمیں چاہیئے کہ ان خدائی مرکزوں کو تخریب کے بجائے تعمیر ملت کے لئے استعمال کریں اور ان میں قال اللہ اور قال رسول صلعم کے علاوہ کوئی اور چیز داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی امام مسجد اس کے خلاف عمل کرتا ہے اس کے مقتدیوں کا فرض ہے کہ اس کو ایسا کرنے سے روکیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ مساجد کافر سازی کی فیکٹریاں نہیں بلکہ اعلیٰ صفات کے مسلمان پیدا کرنے کے خدائی ادارے ہیں ان اداروں کو اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اس کے خلاف جو کرتا ہے وہ مساجد کی بے حرمتی کرتا ہے۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے اور حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کے خلاف چلتا ہے اسے ان مساجد میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ مساجد اسلام اور اعلیٰ انسانی اقدار کی درس گاہیں ہیں اور ان کو اسی کام کے لئے مخصوص رہنا چاہیئے۔ تاکہ ہمارا معاشرہ ان اعلیٰ صفات سے آراستہ ہو جائے جو ہمارا قومی ورثہ ہیں۔

آئمہ مساجد کی تطہیر کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ایسے کالج قائم کئے جائیں جہاں کچھ عرصہ آئمہ مساجد کو باقاعدہ تربیت دی جایا کرے۔ ان کے اذہان کو اسلام کی سادہ اور آسان تعلیم سے منور کیا جائے تاکہ وہ ایک مناسب سطح پر عوام کی ذہنی تربیت کر سکیں اور ان کو حسنِ اخلاق، بلند کرداری اور معیاری مسلمان بننے کی تربیت دے سکیں۔ حاضرین کو محوِ حیرت کرنے کے لئے عموماً مساجد میں ایک افسانوی اسلام پیش کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کی پاکیزگی، سادگی اور آسانی جاگزیں نہیں ہوتی۔ لہذا ضروری ہے کہ اس قسم کی افسانہ طرازی کا کلیتاً خاتمہ کیا جائے جو اسلام ایسے سادہ اور آسان انسانی مذہب کو ایک افسانہ اور چیستان کا روپ دے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو یاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ دین سراسر ایک سیدھی صاف اور سادہ چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم اپنے بندوں پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالتے جو ان کے بس کا نہ ہو۔ ان تمام ارشادات سے واضح ہے کہ اسلام کوئی دیومالا نہیں۔ اسلام مذہب انسانیت ہے جس کا زیور سادگی، آسانی اور یسیر الفہمی ہے۔ اس اسلام کو افسانہ اور چیستان بنانے کا مطلب اسلام کے حسن و جمال کو داغدار کرنے کے مترادف ہے جو فی ذاتہ ایک بُرائی ہے۔

علمائِ کرام اور مساجد کے بعد قوموں کی ذہنی تربیت کا دوسرا مرکز تعلیمی ادارے ہوتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں نئی پود کو جس ڈھب پر ڈالا جاتا ہے وہ ان کا کیرکٹر بن جاتا ہے سکولوں اور کالجوں کے طلبا، نازک کلیاں ہوتی ہیں ان کو جس طرف موڑا جائے اس طرف مڑ جاتی ہیں لہذا ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں میں ان نونہالوں کو ایسی تربیت دی جائے جس میں اسلامی روح کارفرما ہو جو ان کے دل و دماغ کو اس نور اور روشنی سے منور کر دے جس نے دنیا کے اندھیروں کو دور کر دیا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں کے ساتھ تعلق رکھنے والے اساتذہ سلجھے ہوئے بھی ہوں اور اسلامی تعلیمات سے روشناس بھی، اسی صورت میں وہ آئندہ نسلوں کی اچھی تربیت کر سکتے ہیں۔ اُن کو قومی اخلاق، قومی روایات اور قومی کردار کا

دل دادہ بنا سکتے ہیں۔ استاد اور شاگرد کا تعلق باپ اور بیٹے کا تعلق ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ طلباء کے والدین بھی بچوں پر یہ واضح کر دیں کہ استاد ان کا ذہنی اور روحانی مربی ہے اور وہ ہر قسم کی تحریم و تکریم کا حقدار ہے۔ جب تک طالب علم کے ذہن میں استاد کی یہ تصویر نہ ہو، وہ اس کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے مستفیض نہیں ہو سکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ استاد کا مقام بلند کیا جائے اور اس کو وہ عزت دی جائے جس کا وہ اپنے مقام و مرتبہ، اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے مستحق ہے۔

معاشری اصلاح کے سلسلہ میں تیسرا نمبر اخبارات کا ہے۔ اس زمانہ میں اخبارات پر بہت کچھ انحصار کیا جاتا ہے اور صحافت کو ایک ایسا معزز پیشہ سمجھا جاتا ہے جس کے ساتھ بہت سی قومی ذمہ داریاں وابستہ ہیں لیکن یہ کتنا افسوس کا مقام ہے کہ اخبارات میں ابھی تک ان ذمہ داریوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ افسانہ طرازی، غلط باتوں کی تشہیر اور بغیر تحقیقات کے واقعات کا تذکرہ ایک عام بات ہے جس سے قومی اخلاق بگڑ جاتا ہے اور معاشرہ میں برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے اس کو بغیر تحقیقات کے آگے بڑھاتا جائے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں قرآن پاک کے واضح احکام موجود ہیں کہ نہ تو ہر افواہ کے پر لگائے جائیں اور نہ ان کو عوام کے سامنے پھینکنا چاہیئے بلکہ ایسے واقعات ان ذمہ دار لوگوں تک پہنچانے چاہئیں جو ان کی روک تھام کے اہل ہیں۔ اسی طرح بری باتوں کی عام تشہیر اور اشاعت سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارے پریس میں ان ذمہ داریوں کو نبھایا جاتا ہے؟ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ہم ابھی بہت پیچھے ہیں۔ قومی مفاد کے معاملات کی اشاعت ضروری ہے لیکن ان امور کی اشاعت ضروری نہیں جن سے معاشرہ میں خرابی پیدا ہونے کا امکان ہو صحافت ایک معزز پیشہ ہے اور اسی لحاظ سے اس کی ذمہ داریاں بھی مثالی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ اخبارات قومی اخلاق اور

اور کردار پر بہت جلد اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیئے ان کو [illegible] اور ملی کردار تعمیر کرنے کے عمل میں [illegible]
رہنا چاہیئے۔

اخبارات کے بعد قومی کردار کی تعمیر میں موجودہ زمانے کے ذرائع ابلاغ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا نمبر ہے ریڈیو اور ٹیلی ویژن اب اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ایک خرکار جب اپنے گدھے کو لے کر مزدوری کے لئے نکلتا ہے تو اس کی بغل میں ایک ٹرانزسٹر بھی ہوتا ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن چونکہ مغربی ممالک کی ایجاد ہے اس لیئے اس کی بنیاد بھی ایسی چیزوں پر رکھی گئی ہے جو ہمارے قومی مزاج کے منافی ہے۔ حالانکہ ہم اِن ذرائع ابلاغ کے طریق کار میں اپنی قومی ضروریات کے مطابق مناسب تبدیلی کر سکتے ہیں۔ آپ اس بات میں میرے ساتھ اتفاق کریں گے کہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں ریڈیو پاکستان کے پروگراموں میں ایسی انقلابی تبدیلی لائی گئی تھی جس سے قوم کا مزاج کلیتاً تبدیل ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں ہمارے بچے گلیوں میں فلمی گانے نہیں گاتے تھے۔ یہ ادارہ اب ایک ایسی ہستی کے ماتحت ہے جو قوم کی اخلاقی اقدار سے آگاہ ہے ———— اس لیئے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے قوم کی تعمیرِ نو میں بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اسی طرح فلموں اور سینماؤں میں بھی ایسی تبدیلیاں لائی جانی چاہیئیں جن سے ہمارے قومی کردار کی عکاسی ہو سکے اور یہ صنعت بجائے مخربِ اخلاق بننے کے معاشرہ کی بُرائیوں کا قلع قمع کرنے کا ذریعہ بن سکے۔

زندہ قوموں کے لئے کوئی بات انہونی یا ناممکن نہیں ہوتی۔ وہ جب چاہتی ہیں پھول کی پتی سے پتھر کا سینہ چاک کر دیتی ہیں۔ مسلمان خدا کے فضل سے ایک بلند ہمت زندہ جاوید قوم ہے جس کا اپنا ایک مخصوص کلچر ہے جس کی اپنی تاریخ ہے، اپنی روایات ہیں۔ ان سب چیزوں کو فلموں اور سینماؤں کے ذریعہ بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔ اس قسم کی فلمیں تیار کی جا سکتی ہیں جو قومِ مسلم کے عظیم کارناموں کو زندگی دوام بخشیں اور اس طرح وہی چیز جس کو مخربِ اخلاق کہا جاتا ہے ہماری قومی زندگی کے لئے اکسیر بن جائے۔ اگر ہم سنکھیا، افیون، بھنگ، دھتورہ اور چرس سے

بہترین ادویات تیار کرسکتے ہیں تو فلموں اور ڈراموں اور سنیاؤں سے مفید کام کیوں نہیں لیا جاسکتا؛ ہر چیز کا ایک روشن پہلو بھی ہوتا ہے اور ایک تاریک پہلو بھی۔ بلند ہمت، قومیں اپنے حسنِ تدبر سے روشن پہلوؤں کو روشن تر کرکے ان سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور اس روشنی سے اُن اندھیروں کو پامال کردیتی ہیں جو قومی کردار کو تباہ کرتے ہیں اور ملتوں کو قعرِ گمنامی میں پہنچاتے ہیں۔

اسلام کا منبع آول ایک یتیم بے نوا کا قلب اطہر ہے جس کو خدا کہتا ہے کہ ہم نے تجھے یتیم پایا اور پناہ دی۔ ہم نے تجھے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے مضطرب پایا اور تیری رہنمائی کی۔ ہم نے تجھے حاجت مند پایا تو غنی کردیا۔ لہٰذا تو یتیموں کو چھاتی سے لگا۔ ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کر اور خدا کی ان نعمتوں اور ان احسانوں کی خوب تشہیر کر۔ اس سرچشمہ نے ان بے کس لوگوں کو سیراب کیا جو جورِ زمانہ کے شکار تھے۔ ان کی قربانیوں، خلوص اور عزمِ مصمم نے اسلام کو چار دانگِ عالم میں رونق اور ترقی دی۔ اسلام کی اشاعت کے لئے نہ کسی دنیاوی اقتدار سے کام لیا گیا اور نہ کسی دولت وثروت سے۔ حضرت نبی برحق صلعم فرماتے ہیں کہ اسلام نے غربت بے کسی اور بےبسی میں جنم لیا اور اسی حالت میں پھلتا پھولتا رہے گا۔ لہٰذا اسلام کی اشاعت کے لئے اس کی حقانیت اور اس کے ماننے والوں کا خلوص ہی کافی ہے جو لوگ شور مچاتے ہیں کہ اسلام کی حقانیت کو مستحکم کرنے کے لئے سرکاری اقتدار اور حکومت کے ڈنڈے سے کام لینا چاہیئے وہ دراصل اسلام کی حقانیت پر اعتماد نہیں رکھتے۔ حکومتی اقتدار اور سرکاری رعب وداب ایک اضافی چیز ہے جو اقتدار اور رعب وداب کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے دنیا میں مسلمانوں کی آبادی اسی کروڑ کے لگ بھگ ہے ان سب کے پاس اقتدار نہیں۔ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ جن مسلمانوں کے پاس سرکاری اقتدار نہیں وہ ازلی اور ابدی صداقت سے دست کش ہو جائیں۔ ہرگز نہیں۔ مسلمانوں نے ہر حالت میں اسلام کو حرزِ جان بنایا اور اپنا سب کچھ قربان کرکے اس متاعِ عزیز کو محفوظ رکھا۔

اگر ہمیں اسلام کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے تو ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی رنگ میں رنگین کرنا چاہئے تاکہ دوسرے ہماری تقلید کریں ہم مسلمان ہیں تو ہمارے گھروں کا ماحول اسلامی ہونا چاہیئے تاکہ ہماری اولاد از خود اس طرز زندگی کی دل دادہ ہو جائے۔ ہم اگر تاجر ہیں مزدور ہیں، کسان ہیں محنت کش ہیں، صنعت کار ہیں یا کسی اور طبقہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ہماری زندگی اور ماحول پر اسلام کی چھاپ ہونی چاہیئے۔ اگر ہم اسلامی اقدار کو فراموش کر چکے ہیں تو ان کو بقائے دوام بخشنے کے لئے اپنے مکانوں کے در و دیوار پر اسلامی اصول کندہ کیجئے۔ اگر آپ دکاندار ہیں تو دکان کو اس دولت سے مالا مال رکھیئے۔ تعلیمی اداروں، خیراتی اداروں، ثقافتی مرکزوں یہاں تک کہ بسوں، لاریوں، موٹروں، ٹیکسیوں، ہوائی جہازوں پر اسلام کے وہ زندگی بخش اصول کندہ کرائیے جن سے آپ کی یاد بھی تازہ رہے اور دیکھنے والے بھی مستفید ہو سکیں اپنے ہمسایہ دوست ملک چین سے ہی سبق حاصل کیجئے۔ جہاں لوگوں نے افکار ماؤ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے، ہر مزدور، کاریگر، افسر اور ماتحت کے بغل میں افکار ماؤ کا نسخہ ہوتا ہے اسے جب فرصت ملتی ہے خود اس کا مطالعہ کرتا ہے اور دوسروں کو سناتا ہے کسی عقیدہ کو عوام کے ذہنوں میں راسخ کرنے کا یہ طریقہ ہے اس کے بعد اگر خدا آپ کو اقتدار دے، اس سے بھی مناسب رنگ میں کام لیجئے۔ مسئلہ دلوں کو پاک کرنے کا ہے وہ خلوص، قربانی اور صحیح اعتقاد سے ہی ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہمیں اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی رنگ میں رنگ دینا چاہیئے تاکہ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے جو تغافل شعاری پیدا ہو گئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے اور ہم حقیقی معنوں میں سچے مسلمان بن جائیں۔ اس مقصد کے لئے بچوں، بوڑھوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں کے لئے اسلامی تعلیمات پر مشتمل لٹریچر پیدا کیجئے اور دل کھول کر اس کی اشاعت کیجئے تاکہ وہ خلاء پُر ہو جائے جو ماحول کے اثر اور دوسروں کی دیکھا دیکھی پیدا ہوا ہے اور جس کو پُر کرنا آج کی اہم ضرورت ہے۔

حکومت کا کام ملک کی حفاظت، عمومی بہبود اور دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات استوار

کرنا ہے۔ ان معاملات میں اسلام کے زریں اصولوں کو پیش نظر رکھنا حکومت کا فرض ہے اگر وہ اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتی ہے آپ کو حق پہنچتا ہے کہ اس کا محاسبہ کریں لیکن یہ حکومت کے بس کا روگ نہیں کہ وہ سچ بولنے کے لئے آپ کا تعاقب کرتی رہے۔ دیانتداری برتنے کے لئے ہر مسلمان کے ساتھ ایک ہرکارہ رکھے۔ تجارتی بددیانتی کو روکنے کے لئے ہر دکاندار کے ساتھ کراماً کاتبین لگائے۔ یہ آپ کے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں ان کو خود نبھایئے ان سے خود عہدہ برآ ہوجایئے تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ ہم فی الواقعہ اسلام کے دلدادہ ہیں۔ ہم اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں اور ہم خلوص دل کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی رنگ جھلکتا دیکھنے کے متمنی ہیں سو آیئے۔ اسلام کی حقانیت کو سینہ سے لگایئے۔ خود حقیقی معنوں میں مسلمان بن جایئے اور دوسروں کو مسلمان بننے کی تلقین کیجئے یا ان کو موقعہ دیجئے کہ وہ آپ کے حسن کردار کو دیکھ کر اسلام کے گرویدہ بن جائیں جس طرح ابتدائی دور میں ہوتا رہا۔ مسلمان تلواریں لہراتے ہوئے دنیا میں نہیں پھرے۔ ان کے پاس کچھ زندہ جاوید حقیقتیں تھیں ان کے پاس ان کا بے لوث طرز عمل تھا۔ اُن کے پاس اسلام کے اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار تھیں جن کو دیکھ کر دنیا اسلام پر فریفتہ ہوگئی اور بہت ہی قلیل عرصہ میں اس زندگی بخش پیغام کو اپنا شعار بنایا۔ یہ کیفیت آج بھی پیدا ہوسکتی ہے بشرطیکہ ہم نعرہ بازی اور ریاکاری سے دست کش ہوکر اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔

سکندر با خضر خوش نکتہ گفت
شریک سوز و ساز بحر و بر شو
تو ایں جنگ از کنار عرصہ بینی
بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو

۲

خدائے رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں ۔ ان میں کبر و غرور اور خود پسندی کا نام و نشان نہیں ہوتا اور جب جاہل لوگ ان سے الجھنا چاہتے ہیں تو وہ امن و سلامتی کی بات کہہ کر آگے بڑھتے ہیں۔ کسی کے ساتھ جھگڑتے نہیں اور نہ خدا کی زمین میں فتنہ و فساد کی آگ بڑھکاتے ہیں۔ وہ راتیں اپنے پروردگار کی بندگی میں گزارتے ہیں اور دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے خدا! ہم سے جہنّم کا عذاب ٹال دے ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ہم جہنم کی سزا کے حقدار بنیں کیونکہ جہنم کا عذاب سخت ہے یہ انسان کو اس دنیا میں بھی پریشان رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ وہ ہر وقت بداعمالی کی آگ میں جلتا رہتا ہے یہ جہنم ایسا ٹھکانہ ہے جو عارضی یا مستقل رہائش کے لئے بہت بُری جگہ ہے۔ بدعملی کی سزا دنیا کی عارضی رہائش میں بھی ملتی ہے اور آخرت کی دائمی زندگی میں بھی۔ اسی لئے خدائے رحمٰن کے یہ مردانِ حُر ایسا وطیرہ اختیار کرتے ہیں جو ان کو دنیا میں بھی پریشانی سے بچائے اور آخرت میں بھی جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس میں نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی بلکہ اس کے درمیان درمیان رہتے ہیں۔ وہ نہ تو دنیا کی واہ واہ حاصل کرنے کے لئے فضول خرچی کرتے ہیں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نہ کبھی چوس بن کر دولت جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو نیک مقاصد کے لئے خرچ نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی بساط اور قومی مفادات کو مدِنظر رکھ کر خرچ بھی کرتے ہیں اور جمع بھی کرتے ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی اور بنی نوع انسان کی ضرورتوں کو اعتدال کے ساتھ پورا کر سکیں۔ وہ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے۔ ان کا صرف

خدا پر بھروسہ ہوتا ہے' وہ خدا شناس اور خود آگاہ ہوتے ہیں۔ نہ وہ اُس جان کو قتل کرتے ہیں جس کو قتل کرنا خدا نے حرام قرار دیا ہے اور نہ حرام کاری کرتے ہیں۔ وہ قتل و غارت گری' بے حیائی اور معاشرتی بُرائیوں سے دُور بھاگتے ہیں کیونکہ جو شخص ایسا کام کرتا ہے وہ مجرم اور گناہگار کہلاتا ہے اس کو دنیا میں سزا کے علاوہ قیامت کے دن دوہری سزا ملے گی اور ہمیشہ اس سزا میں ذلیل ہوتا رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو جرم کرنے کے بعد توبہ کرتے ہیں اس قسم کے جرموں سے باز رہتے ہیں۔ خدا کے احکام پر ایمان لاتے ہیں اور آئندہ نیک کام کرتے ہیں ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو خدا نیکیوں میں تبدیل کرتا ہے یعنی ان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ نیک بن جاتے ہیں کیونکہ خدا بخشنے والا اور مہربان ہے وہ سزا انتقام کے لئے نہیں دیتا بلکہ اصلاح کے لئے سزا دیتا ہے۔

لہٰذا جو اپنے نفس کی اصلاح کرے اس کے گناہ دھل جاتے ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ صحیح معنوں میں توبہ کرتے ہیں، گناہوں سے باز رہتے ہیں اور آئندہ اچھے کام کرتے ہیں وہی سچ مچ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں زبانی توبہ بے معنی ہے جب تک انسان بُرائیوں سے دست کش نہ ہو اور وہ لوگ جھوٹی گواہیاں نہیں دیتے۔ جھوٹ کے کاروبار اور بُرائیوں میں حصہ دار نہیں بنتے۔ اور جب وہ کسی ایسی جگہ سے گزرتے ہیں جہاں لغو اور فضول کام ہو رہے ہوں تو وہ شریفانہ انداز سے گزرتے ہیں اور ایسی لغویات کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں دیتے۔ جب ان کو خدا کی قدرت کی نشانیاں یاد دلائی جائیں تو ان پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے بلکہ ان پر غور کرتے ہیں اور ان سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگیاں سنوارتے ہیں۔ وہ دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ اے خدا ہمیں ایسے جوڑے اور نسل عطا کر جو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہمیں خدا پرست لوگوں کا رہنما بنا۔ ہمارا اور ہمارے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا کردار ایسا ہو کہ لوگ اس سے سبق اور رہنمائی حاصل کریں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اس صبر و استقلال کے طفیل اعلیٰ مقام عطا ہو گا جہاں وہ ہمیشہ دعا و سلام اور عزت و احترام کے مستحق قرار دیئے جائیں گے۔ ان کی زندگی خوشگوار ہو گی ان کو عزت و وقار ملے گا۔ جو دنیوی اور اخروی زندگی

کامعراجِ کمال ہے۔پس اے رسول برحق! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تم دعائیں نہ کرتے رہتے تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ تھی۔ اس کی خدائی تمہارے اقرار کی محتاج نہیں۔ دنیا کا ذرّہ ذرّہ اس کے وجود کا گواہ ہے اگر تم نے اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ وعدہ خلافی کی اور اپنے کردار کی اصلاح نہ کی تو اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ تم عزت و وقار سے محروم ہو جاؤ گے اور وہ لوگ بڑھ جائیں گے جو قرآن کریم ایسے منفرد ضابطۂ حیات پر عمل کرتے ہیں۔ (القرآن)

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جلال و جمال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن
قبول حق ہیں فقط مردِ حُر کی تکبیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہلِ جنوں کی تدبیریں

اسلام ایک آفاقی نظریہ حیات ہے جو جغرافیائی حدود سے آزاد عصبی، قبائلی اور لسانی بنیادوں سے بے نیاز ہے۔اسلامی نظریہ یہ ہے کہ انسان جہاں بھی ہو اور جس گروہ کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہو جو زبان بھی بولتا ہو، وہ انسان ہے وہ معاشرہ میں ایک بلند مقام حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں۔اس لئے وہ سب ایک سچے مسلمان کی ہمدردی اور غم گساری کے حقدار ہیں اور مسلمان ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں تاہم اس بات سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں علاقائی، عصبیاتی، لسانی اور طبقاتی تعصبات موجود ہیں۔اس لئے ہر موقعہ پر احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔مسلمان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ سادہ لوح بھی ہوتا ہے اور کریم النفس بھی۔چالاک لوگ ایسی مخلوق کو دھوکا دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں اسی لئے قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں ابھی جذبہ انسانیت اور یکسانیت پوری طرح نہ اُبھرا ہو ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں البتہ احتیاط ضروری ہے لہٰذا ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیئے، مبادا وہ کوئی مکارانہ چال نہ چلیں۔حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے غیر مسلم لوگوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔ان لوگوں نے معاہدہ توڑ کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، معاہدہ حدیبیہ بھی فریق مخالف نے ہی توڑا۔آپ نے یہودیوں کو دعوت دی کہ خدا کی ذات پر ہمارا اور تمہارا مشترکہ ایمان ہے ہم اس نقطہ پر اتحاد کر سکتے ہیں لیکن انہوں نے بھی کوئی معقول طرزِ عمل اختیار نہ کیا۔اِس

کے باوجود بار بار کہا گیا کہ مسلمان کا دل اور اس کی زبان ایک ہوتی ہے۔ مسلمان کا وعدہ نقد کے برابر ہے۔ لہٰذا تم جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ کرو اس کو دیانت داری کے ساتھ نبھاؤ۔ ہاں اگر وہ عہد شکنی کریں تو تم بھی اعلان کر کے ان کی بداعمالی کا جواب دے سکتے ہو۔ اسلئے کہ وہ جس بغض و عناد کا اپنی زبان سے تمہارے متعلق اظہار کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تمہارے دکھ اور نقصان پر خوش ہوتے ہیں بغلیں بجاتے ہیں۔ تمہارے دشمنوں کو مبارکبادیاں دیتے ہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ حق و صداقت پر کاربند رہتے ہیں۔ ان کو دنیا کا کوئی مکر و فریب پسپا نہیں کر سکتا۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ احتیاط کی خاطر ایسے لوگوں کے ساتھ دلی دوستی نہ کرو۔ ان کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ کہ کہیں وہ تم کو کسی الجھن میں پھنسانے میں کامیاب نہ ہوں اس لئے کہ تمہارے دوست وہی ہو سکتے ہیں جن کو تمہارے ساتھ دلی لگاؤ ہے جن کے مقاصد تمہارے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور جن کا نظریۂ حیات تمہارے ایمان و اعتقاد کے ساتھ یکساں ہے۔

اسلام نے یہ اصول اس لئے مقرر کیا ہے کہ ابھی انسانی معاشرہ اس معیار پر نہیں پہنچا ہے جہاں انسان کا اصول محض انسانی ہمدردی اور بھلائی ہوتا ہے اس زمانہ کی بین الاقوامی سیاست نے اس سے بھی زیادہ خطرناک رنگ اختیار کیا ہے۔ ترقی یافتہ ملک اور بڑی طاقتیں اپنے توسیعی عزائم کے ماتحت چھوٹے ملکوں اور چھوٹی طاقتوں کو اپنا ہمنوا بناتی ہیں۔ ان کو آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کے سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ بسا اوقات مادی رنگ میں ان کی امداد بھی کی جاتی ہے لیکن جہاں مفادات کے ٹکراؤ کا موقعہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں ان سب باتوں کو بھول کر صرف اپنے مفاد کو مدنظر رکھا جاتا ہے خواہ اس عمل سے چھوٹی قوم اور چھوٹی طاقت کا نام و نشان ہی کیوں نہ مٹ جائے۔ یہ سب کچھ قیامِ امن اور انسانی حقوق کے تحفظ کے نام پر کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت عزائم اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جا سکتا۔ جہاں اس قسم کی انسان دشمنی کا اندیشہ ہو مسلمان وہاں پورے حزم و احتیاط

سے کام لیتا ہے تاکہ وہ اپنے مشن کو قائم رکھ کر انسانی وحدت کے پھریرے کو سربلند رکھ سکے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جنگیں ختم کرنے اور انسانی معاشرے کو امن واطمینان پہنچانے کا اعلان کیا گیا۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس اعلان کے بعد ایک دن بھی جنگ بند نہ رہی اس جنگ کو سرد جنگ کا نام دیا گیا۔ حالانکہ اس دوران کیوبا، ہنگری، چیکوسلواکیہ، ویت نام مشرق وسطیٰ، کوریا، کمبوڈیا، نائیجیریا، انڈونیشیا، مشرق وسطیٰ، کشمیر، بھارت، پاکستان، چین اور دنیا کے دوسرے حصّوں میں گرم جنگیں ہوتی رہیں جن سے کروڑوں بندگانِ خدا متاثر ہوئے لیکن پھر بھی ان کو سرد جنگ کہا گیا۔ شاید اس لئے کہ ان جنگوں کی تباہ کاری کا نشانہ چھوٹے ملک اور چھوٹی قومیں بنیں اور بڑی طاقتیں اور بڑی قومیں کسی نہ کسی رنگ میں انسانوں کی اس تباہی سے فائدہ ہی اٹھاتی رہیں تاہم یہ عمل جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ایسے موقعوں پر دوسروں کو الزام دینے کی بجائے لازمی ہے کہ مسلمان اپنی طاقت بحال کریں۔ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور جارح طاقتوں کو راہ راست پر رکھنے کے لئے اتنی طاقت پیدا کریں کہ انسانیت دشمن قوتوں کو دوستی کے پردوں میں ایسے کھیل کھیلنے کی جرأت ہی نہ ہو۔ مسلمان خدا کا نڈر سپاہی ہے وہ بدی کے مقابلے پر ڈٹ جاتا ہے اور اس کو ملیامیٹ کرنے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ مسلمان اس وقت دنیا کی ایک فیصلہ کن قوت ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت کو منظم کریں۔ اسلامی جذبہ کے ساتھ ایک دوسرے سے قوی تعلق پیدا کریں اور انسانیت کے وسیع تر مفاد کی خاطر جارح اور انسانیت دشمن طاقتوں کو جارحیت اور انسانیت دشمنی کے اس بھیانک کھیل سے باز رکھیں۔

کافر ہے تو کرتا ہے تلوار پہ بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۴

یوں تو قرآن کریم کا ہر لفظ، ہر نقطہ اور ہر شوشہ دنیا کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جس کا نہ تو جواب دیا جا سکتا ہے اور نہ مقابلہ کیا جا سکتا ہے تاہم اس پاک کلام میں تین چیلنج ایسے ہیں جن کے مقابلے اور جواب سے دنیا عملاً عاجز رہ گئی۔ پہلا چیلنج عربوں کو دیا گیا جن کو اپنی فصاحتُ بلاغت اور زبان دانی پر اتنا ناز تھا کہ وہ باقی تمام دنیا کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے جب عربوں نے قرآن کریم کی معجز بیانی سے تنگ آکر بڑھ بولا پن اختیار کیا اور کہا کہ یہ قرآن کیا ہے ہم چاہیں تو اس سے بہتر کلام تیار کر سکتے ہیں۔ قدرت نے اُن کی اس تعلّی کی طرف کوئی توجہ نہ دی صرف اتنا کہہ دیا کہ اگر تم اپنے اس دعوی میں سچے ہو تو تم ایک ہی سورت ایسی تیار کر کے دکھاؤ، تاکہ دنیا خود تمہارے دعوٰی کو پرکھ سکے۔ اس میں تم کو ایک اور بڑی رعایت دی جاتی ہے کہ تم یہ کام انفرادی طور پر بھی نہ کرو بلکہ خود بھی اکٹھے ہو جاؤ۔ اپنے مددگاروں کو بھی بلاؤ اور قران کریم کی کسی ایک سورت کا بدل پیش کرو۔ یہ چیلنج سُن کر فصحاء عرب گونگے اور بہرے ہو گئے وہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے جو قرآنی صداقت کا ایک جیتا جاگتا نشان ہے

دوسرے دو چیلنج تمام دنیا کو اجتماعی طور سے دیئے گئے پہلا چیلنج خدا کی ذات کے متعلق ہے کہ اگر بقول تمہارے یہ کل کائنات محض ایک اتفاق اور حادثہ ہے اور اس کا کوئی مالک، خالق یا منتظم نہیں تو تم اپنی موت کے وقت اور جگہ کا تعین کر لو یا یہ کہ سورج کو مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع کرا کر دکھا دو۔ دنیا خدا کے وجود کے لاکھ انکار کے باوجود آج تک

اس چیلنج کا جواب نہ دے سکی۔ دنیا نے سائنس میں بے اندازہ ترقی کی۔ بڑے بڑے محققین نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو کھنگالا۔ اگرچہ کئی سائنس دانوں نے خدا کی خدائی سے انکار کو اپنا شیوہ اور عقیدہ بھی بنا لیا۔ پھر بھی کائنات کی ماہیت پر غور کرنے والے اس طبقہ کی اکثریت کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ایک وراء الوریٰ طاقت کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو کائنات عالم کا منبع بھی ہے اور مرجع بھی۔ خدا قرآن کریم میں خود فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو اپنا مظہر بنایا اور اس میں الہٰی صفات کی جھلک رکھ دی لیکن پھر بھی انسان خدا نہ بن سکا۔ اور نہ بن سکے گا۔ اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ تجھ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں ان سے کہدو کہ روح حکم الہٰی ہے اور تم کو بھی اس کا تھوڑا تھوڑا علم دیا گیا ہے تم مادہ کو جوڑ جاڑ کر ایسی چیزیں تخلیق کرتے ہو جو کارآمد بھی ہوتی ہیں اور حرکت بھی کرتی ہیں۔ لیکن پھر بھی تم نہ تو ان میں عقل اور ادراک بھر سکتے ہو اور نہ اُن کی تباہی کے وقت کا تعین کر سکتے ہو۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ خدا کا وجود ہے تم تو یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ تمہاری موت کس جگہ اور کس حالت میں واقع ہو گی۔ ایجادات کرنا، اور مادی ترقی میں اعلیٰ مقام حاصل کرنا کچھ اور معنی رکھتا ہے لیکن خدا کی خدائی سے انکار ممکن نہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔

تیسرا چیلنج بھی تمام دنیا کو دیا گیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ قرآن کیا ہے چند تاریخی کہانیاں اور افسانے ہیں۔ خدا نے کہہ دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔ قرآن کریم صداقتوں کا خزانہ ہے اس میں تمام محکم اصول اور سچائیاں موجود ہیں۔ دنیا لاکھ سر مارے، وہ ان صداقتوں پر اضافہ نہیں کر سکتی اور نہ کسی قرآنی صداقت کو جھٹلا سکتی ہے۔ دنیا میں لاکھوں مفکر اور دانشور آئے انہوں نے چاروں طرف عقل و حکمت کے تیر چلائے۔ اپنی طرف سے بڑے بڑے مسئلے حل کئے دنیا کو یہ یقین دیا کہ ہم نے جو تیر مارا ہے اس سے آگے کوئی کیا جائے۔ لیکن جب ان مفکروں اور دانش وروں کی تخلیقات پر غور کیا گیا تو وہ سب قرآن کریم کی خوشہ چینی تھی۔ پُرانی باتوں کو تو جانے دیجئے۔ دنیا میں اشتراکیت کا چکر چلا۔ انسانی مساوات اور معاشی ہم آہنگی کے لئے

بڑے بڑے اصول وضع کئے گئے۔ لیکن جب ان اصولوں پر غور کیا جاتا ہے تو یہ قرآنی تعلیمات کے ایک نامکمل چربے سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوتے۔ اسلام نے اخلاقی اقدار پر جو نظامِ حیات قائم کیا ہے وہ اشتراکی مساوات سے کہیں اعلےٰ وارفع ہے اور اس پر کوئی اضافہ ممکن نہیں۔ آج سے پچیس سال پہلے دنیا کے سیاسی مفکروں نے مل کر انسانی حقوق کا منشور تیار کیا اور دعویٰ کیا کہ یہی منشور قومی بھلائی کی انتہا ہے۔ اس منشور کی پہلی دفعہ یہ ہے کہ (۱) تمام بنی نوع انسان پیدائش عزت، حقوق اور آزادی میں مساوی ہیں۔ ان کو خدا نے عقل و ضمیر عطا کی ہے لہذا ان کو ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھنے چاہیئں۔ اس کے مقابل قرآن کریم کے اس غیرفانی اصول کو دیکھئے کہ (۱) اے بنی نوع انسان! ہم نے تم کو ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا۔ تم سب پیدائشی لحاظ سے مساوی اور برابر کے حقوق رکھتے ہو نسلی، علاقائی اور لسانی امتیازات سے انسانی مساوات حقوق اور آزادی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم میں گروہ بندی اور قبائل کا نظام ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے رکھا گیا ہے۔ خدا کے نزدیک معزز اور قابلِ احترام وہ ہے جو الٰہی احکام اور قانونِ فطرت پر پورا اترے۔ خود ہی سوچئے۔ کیا قرآن کریم کے اس واضح اصول کے بعد کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم نے انسانی بھلائی کے لئے کوئی اچھوتا اصول وضع کیا ہے۔ اسی قرآنی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت حاملِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا۔ کہ میں جاہلیت کے تمام اعزازات، مفاخر اور دعوؤں کو ختم کرتا ہوں۔ کسی عربی کو عجمی پر، گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں۔ آزادی، مساوات اور حقوق میں سب انسان برابر ہیں خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہوں۔ اس لئے کہ اسلام کا بنیادی اصول کلمہ لاالہ الا اللہ ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک ذات ہے۔ کسی انسان کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں۔ دوسرا اصول حقوقِ انسانی کے منشور میں یہ دیا گیا ہے کہ (۲) ہر شخص کو آزادی کے ساتھ زندہ رہنے اور حفاظت کا حق حاصل ہے۔ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ دین کے بارے میں کسی پر کوئی جبر نہ کیا جائے۔ دین کے معنی ملکی قانون بھی ہے۔ انسانی زندگی کا طریق

کا بھی ہے مذہب بھی ہے جس میں سیاست، ثقافت اور تہذیب سبھی باتیں شامل ہیں۔ ان معاملات میں قرآن نے کسی پر جبر جائز نہیں رکھا بلکہ اس کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے۔ منشور کا تیسرا اصول ہے کہ (۳) کسی کو محکومی اور غلامی میں نہ رکھا جائے۔ غلامی ہر رنگ میں ممنوع ہے۔ اسلام دنیا کا اولین لائحہ زندگی ہے جس نے غلامی کی لعنت کو دنیا سے ختم کیا۔ انسانوں کو مساوی درجہ دیا، اور محکوموں کے ساتھ ہر معاملہ میں برابری کا سلوک کرنے کا حکم دیا پہلی جابر اور جارح قوموں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کیا انسانیت پر تمہارا یہ احسان ہے کہ تم نے ان کو غلام بنایا ہے۔ اسلام کے ظہور تک ہر طاقتور قوم انسانوں کو غلام بناتی اور ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کرتی تھی لیکن اسلام نے غلاموں کو تخت شاہی پر بٹھا کر یہ ثابت کر دیا کہ غلامی کسی رنگ میں بھی جائز نہیں۔ پھر اس منشور میں کہا گیا ہے۔ کہ (۴) قانون کی نظر میں ہر انسان ہر جگہ مساوی درجہ رکھتا ہے اور ان کو قانون کا مساوی تحفظ حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں بھی قرآن پاک کی اعلیٰ اور ارفع تعلیم واضح ہے کہ سب انسانوں کے لئے ایک قانون ہے اور عملاً یہ ہوتا رہا ہے کہ مسلمان خلفاء غیر مسلم مدعیوں کے ساتھ عدالتوں کے کٹہرے میں مساوی حیثیت میں کھڑے رہے جو اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ اسلام قانون کے اجراء میں ایک خلیفہ، بادشاہ اور امیر کو وہی درجہ دیتا ہے جو عام انسان کو حاصل ہے۔ پھر اس منشور کا ایک اصول یہ ہے کہ (۵) کہ کسی انسان کو تشدد اور بے عزتی کا نشانہ نہ بنایا جائے اور اس وقت تک مجرم نہ سمجھا جائے جب تک وہ مجرم ثابت نہ ہو۔ اسلام میں کسی پر بلا ثبوت وشہادت تہمت لگانا عظیم گناہ قرار دیا گیا ہے۔ بندگانِ خدا پر ظلم و تشدد ناجائز ہے۔ حضرت شارح برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر قوم کے معززین کی عزت کرو۔ قرآن کا حکم ہے کہ دوسروں کے بتوں کو بھی بُرا نہ کہو۔ پھر منشور کا ایک حکم یہ ہے کہ (۶) ہر شخص کو انفرادی اور اجتماعی طور سے جائداد رکھنے کا حق ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ زمین اور آسمان کے مابین جو کچھ ہے۔ یہ تمہارا ہے۔ کسی کے گھر اور مال و دولت میں مداخلت جائز نہیں البتہ مال و دولت کے ساتھ کچھ شرائط مخصوص ہیں جن کے تحت دولتمندوں کو اخلاقی طور پر اس بات کا پابند کیا گیا ہے

کہ وہ ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کریں۔ ذخیرہ اندوزی اور منافع خوری نہ کریں۔ انسانی منشور کی ایک شق یہ ہے کہ ہر شخص کو مذہب، ضمیر، خیالات اور رائے کی آزادی حاصل ہے اس سلسلہ میں اسلام نے جس حد تک انسانوں کو آزادی بخشی ہے اس کا دنیا کے کسی قانون سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام میں ایک ادنےٰ انسان بھی سرِ عام خلیفہ وقت پر اعتراض کر سکتا ہے انسانی حقوق کے منشور میں لکھا ہے کہ ہر شخص کو ملازمت کا حق ہے اور اس کو کام کے اوقات کے تعین اور آرام کا بھی پورا حق حاصل ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ خدا کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مزدوروں اور ماتحتوں سے اتنا ہی کام لو جوان کی طاقت کے بس میں ہو۔ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان کو آرام کے وہی مواقع بہم پہنچاؤ جو خود تمہیں حاصل ہیں یہاں تک کہ عبادات کے سلسلہ میں بھی ہدایت کی گئی ہے کہ عبادت اسی قدر کرو کہ دوسروں کے حقوق پر اس کا اثر نہ پڑے کیونکہ تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔

الغرض حقوق انسانی کے منشور میں جو بنیادی اور اہم ۳۰ دفعات دی گئی ہیں اُن میں سے ایک دفعہ بھی ایسی نہیں جو قرآنِ کریم، سنتِ نبویؐ اور احادیث میں موجود نہ ہو، اور جس پر اسلامی نظامِ حیات میں نہایت دیانت داری کے ساتھ عمل نہ ہوتا رہا ہو۔ اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ حقوق انسانی کے منشور کی تنقیص کی جائے بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ جس الٰہی قانون اور نظام میں یہ اصول پوری شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں اس کی پیروی وقت کی اولین ضرورت ہے اور جس قوم کو یہ انسانی منشور عطا ہوا ہے اس کے لئے یہ بات باعث ننگ و عار ہے کہ وہ اپنی بلند پایہ تعلیم کو چھوڑ کر دوسروں کی نقالی کرے۔ ایسی قوم تو دنیا کی اِمامت کے لئے پیدا ہوئی ہے لہٰذا اُسے اپنا یہ مقام حاصل کرنا چاہیئے

۵

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب کسی ملک، قوم یا معاشرہ کی تباہی کے دن آتے ہیں تو ان میں اس قسم کی بُرائیاں جنم لیتی ہیں جو ان کی اجتماعی زندگی کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں اگر ان بُرائیوں کی اصلاح کی جلئے تو ایک نئے اور بہتر دور کا آغاز ہوتا ہے بصورت دیگر وہ قوم ملک اور معاشرہ نیست و نابود ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک نئی قوم اور نئے معاشرہ کو ملتی ہے جس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے یہ قدرت کا اٹل اصول ہے جو ابتدائے آفرنیش سے دنیا میں جاری ہے اور انتہا تک جاری رہے گا۔

جب کسی معاشرہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس کو روکنے کی ذمہ داری کسی فردِ واحد کسی ایک جماعت یا کسی ایک طبقہ پر نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک اجتماعی فریضہ ہوتا ہے جس میں ہر فرد، ہر طبقہ اور ہر جماعت برابر کی شریک ہوتی ہے۔ انبیاء کرام آتے رہے وہ اپنی اُمتوں کے ذریعے معاشرہ کی اصلاح کی مہم چلاتے رہے۔ حکمراں اپنی انتظامیہ اور اپنی رعایا کے ذریعہ قوموں اور ملکوں کو اس ہلاکت آفرینی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور عام لوگ باہمی امداد و تعاون کے ذریعہ اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور وہ اپنے ریوڑ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے یا قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم کو اس لئے خیر اُمتہ ہونے کا اعزاز ملا ہے کہ تم بھلائی کی تبلیغ کرو اور بُرائیوں سے لوگوں کو روکو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے۔ خدا کی تمہارے ساتھ

کوئی قرابت داری نہیں وہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لا کھڑا کرے گا، تاکہ وہ دنیا کی اصلاح کا فرض انجام دے۔ حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضؓ میں تشریف فرما تھے، فرمانے لگے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے اور ہم ایسا کرتے بھی ہیں لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے۔ فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ یہی اس کی مدد ہے لیکن بسا اوقات اس کے الٹ کیا جاتا ہے۔ ہم کسی غیر انسانی لگاؤ کی وجہ سے مظلوم کو تو اور کمزور کرتے ہیں اور ظالم کے ہاتھ مضبوط کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کبھی جھوٹ بول کر اور کبھی بد دیانتی اور فریب کاری کے ذریعہ۔ حالانکہ مسلمان کو سختی سے ان باتوں سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ سچ کو کبھی مت چھپاؤ خواہ اس کا خمیازہ تم کو خود اٹھانا پڑے لیکن ہم میں کتنی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اس سچائی پر کاربند ہیں۔ جب سب انسان برابر ہیں تو ہمیں سچی بات کہنے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے معاشرہ کی بہت سی بُرائیوں کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ ہم اکثر لسانی، طبقاتی اور نسلی تعلقات کی وجہ سے ایک دوسرے کے عیوب اور بُرائیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بُرائی کرنے والے کو شہ ملتی ہے اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ بُرائی کرنے میں اور نڈر ہو جاتا ہے اس طرح بُرائی رفتہ رفتہ عام ہو جاتی ہے آپنے بارہا دیکھا ہوگا کہ اگر ایک بد دیانت تاجر کا محاسبہ کیا جاتا ہے تو دوسرے تاجر اس کے حق میں احتجاج کرتے ہیں۔ ہڑتال کرتے ہیں۔ اس طرح دوسروں کو بھی بد دیانتی کی ترغیب دیتے ہیں یا یہ کہ ہم گرانی اور کمیابی کا نوحہ کرتے ہیں لیکن ساتھ خود نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ زیادہ قیمت دے کر چیز حاصل کرتے ہیں یا جتنی مقدار میں چیز مل جائے وہ اپنے پاس ذخیرہ کرتے ہیں اس طرح ناجائز منافع کھانے والوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے غریبوں کو لوٹتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر حکومت ان بُرائیوں کو روکنے کے لئے کوئی جائز اقدام کرتی ہے تو ہم اپنے تعاون کے ذریعہ اس کے ہاتھ مضبوط کرتے۔ تاجر گاہک سے خائف رہتا کہ اگر میں نے اس سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تو مجھے گرفتار کرا دے گا۔ معاشری بُرائیوں کو

ختم کرنے کا یہی ایک کامیاب ذریعہ ہے کہ ان برائیوں کے خلاف اجتماعی جدوجہد کی جائے ہر شخص اپنے آپ کو ذمہ دار اور محاسب خیال کر کے برائی کرنے والوں کا محاسبہ کرے اور اس طرح معاشرہ کو برائیوں سے پاک کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر ایک فرد، ایک طبقہ اور ایک جماعت دوسرے طبقہ کی عیب جوئی ہی کرے یا اس کے خلاف اتہامات اور الزامات کا ایک لامتناہی سلسلہ خود بھی جاری کرے اس سے معاشرہ کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی اور ایک بگڑا ہوا معاشرہ یقیناً تباہ ہو جاتا ہے لہذا ہم میں سے ہر ایک کو اپنے مقام اور مرتبہ سے آگاہ ہونا چاہیئے اور یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ معاشرہ میں جو بھی برائی پیدا ہوئی اس کی ذمہ داری مجھ پر بھی ہے اور اس کا وبال مجھ پر بھی پڑے گا۔ لہذا مجھے ان برائیوں کو ختم کرنے میں اپنا حق ادا کرنا چاہیئے۔

رہے جب تک ارکان اسلام برپا
چلن اہل دیں کا رہا سیدھا سادا
رہا میل سے شہد صافی مصفّا
رہی کھوٹ سے سیم خالص مبرّا
نہ تھا کوئی اسلام کا مردِ میداں
علم ایک تھا شش جہت میں درخشاں

۶

اسلام امن و آشتی کا پیغامبر ہے۔ اسی لئے قرآن پاک نے ہر اس اقدام سے سختی کے ساتھ رد کیا ہے جس سے دھرتی میں فساد واقع ہو جائے لوگوں میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہو۔ لوگوں کی معیشت متاثر ہو۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ خالق کون و مکان فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ جب مالکِ دو جہاں فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، تو ان کا کردار ہر لحاظ سے ناپسندیدہ ہی کہلائے گا۔ فساد صرف قتل و غارت گری پر ہی صادق نہیں آتا بلکہ ہر وہ اقدام فساد کی ذیل میں آتا ہے جس سے زمین اور اس کی مخلوق کسی نہ کسی رنگ میں متاثر ہو۔ اسی لئے ایک جگہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ قتل میں اگر چند افراد مر جاتے ہیں فتنہ بے شمار لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے اور اس کا اثر بھی زیادہ دیرپا ہوتا ہے اس زمانہ میں جبکہ بنی نوع انسان تہذیب و تمدن کی بلندیوں تک پہنچنے کا دعویدار ہے۔ اس قسم کے نئے نئے فسادات ایجاد کئے جاتے ہیں جو نوع انسانی اور اس کی معیشت اور باہمی تعلقات کو تباہی کی حد تک متاثر کرتے ہیں، ہڑتالیں ایجی ٹیشنیں، توڑ پھوڑ، لوٹ مار، غارت گری اور خود سوختگی اسی ذیل میں ہیں۔ ان چیزوں سے فسادات بپا ہوتے ہیں۔ عوام کا سکھ چین جاتا رہتا ہے۔ باہمی مناقشات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پیداوار کو نقصان پہنچتا ہے۔ مفید خلائق کارخانے بند ہو جاتے ہیں۔ مزدوروں کے لئے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں ملکی معیشت کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کے مقابل فائدہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اختلاف رائے اور عمل سے شکر رنجیاں ضرور پیدا ہوتی ہیں لیکن انسانی فکر و عمل سے ان شکر رنجیوں کو بطریق احسن حل

کیا جا سکتا ہے اور بغیر کوئی نقصان اٹھائے بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ عوامی قوت اس دور کا ایک مسلمہ ہتھیار ہے۔ رائے عامہ کے مناسب اور موزوں استعمال کے ذریعہ حکومتوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ رائے عامہ حقیقت پسندی پر مبنی ہو۔ اگر اسی جہترین ہتھیار کو غلط رنگ میں استعمال کیا جائے تو اس کے نتائج خاطر خواہ نہیں ہو سکتے۔ رائے عامہ کے اظہار کے لئے توڑ پھوڑ، قتل و غارت گری اور آتشزنی و ناشائستہ حرکات ضروری نہیں ان حرکات سے نقصان ملک و قوم اور بے گناہ لوگوں کو ہوتا ہے جن کے بھلے کی خاطر بظاہر ایسے اقدامات کئے جاتے ہیں مثلاً ایک احتجاجی جلوس جا رہا ہے اور راستہ میں مکانوں کو آگ لگاتا ہے دکانوں کو لوٹتا ہے۔ راہ گیروں پر پتھراؤ کرتا ہے۔ سڑکوں کے لیمپ، تار اور ٹیلیفون کے کھمبے توڑے جاتے ہیں بسوں اور کاروں کو آگ لگائی جاتی ہے۔ ریل اور سڑکیں ادھیڑ کر رکھ دی جاتی ہیں اور اس طرح شہری زندگی کو مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ نعرے اسلام زندہ باد اور پاکستان پائندہ باد کے لگتے ہیں اور کام اسلامی احکام و اخلاق اور ملکی مفادات کے خلاف کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے میدانِ جنگ میں متحارب دشمنوں کی فصلوں، عورتوں، بچوں، گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں، خیرِ عام کے اداروں کو نقصان پہنچانے سے بھی سختی کے ساتھ روکا ہے۔ یہاں تو یہ سب املاک اپنی ہوتی ہیں مثلاً بسیں جلائی جاتی ہیں یا سرکاری دفتروں کو آگ لگائی جاتی ہے یہ بسیں اور سرکاری دفاتر ملک و ملت کی جائداد ہوتے ہیں اس کا نقصان قوم کو پہنچتا ہے۔ بہرکیف اس قسم کا رویہ جہاں اسلامی آئین و اخلاق کے منافی ہے قرآن پاک کی تعلیم کے خلاف ہے وہاں اس سے قومی معیشت اور ملکی دولت کو بے اندازہ نقصان پہنچتا ہے جو ایک باشعور انسان ہوش و حواس کے ہوتے کبھی برداشت نہیں کرے گا اسلامی آئینِ اخلاق کا تقاضا ہے کہ مسائل عقل و منطق کے ذریعہ طے کئے جائیں۔ امن و آشتی کی روشنی میں حل کئے جائیں۔ خدا کی زمین، خدا کی مخلوق کو نقصان پہنچائے بغیر انجام دیئے جائیں خصوصاً اس قوم کے لئے جس کے پاس ایک بلند پایہ اخلاقی آئین موجود ہو جس کو ایک ایسی عظیم کتاب کی رہنمائی حاصل ہو جو ایک مکمل ضابطۂ حیات کی صورت میں موجود ہے۔

۷

معاشرتی زندگی میں ہر اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے جس سے خود انسان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ یا دوسروں کو اذیت ہو۔ یوں بھی فطرت کا تقاضہ ہے کہ انسان صاف ستھرا رہنا پسند کرتا ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ موجودہ دور کی ترقی یافتہ قومیں صفائی کا خاص خیال رکھتی ہیں لیکن اس صفائی میں وہ روح نہیں جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے بار بار پاکیزگی کا حکم دیا ہے پاکیزگی میں صفائی اور مضرت رساں چیزوں کا ازالہ دونوں شامل ہیں محض صفائی سے وہ مسئلہ حل نہیں ہوتا جس پر پاکیزگی کے مفہوم کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو کیونکہ خدا پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کے ساتھ خالقِ کائنات محبت کرتا ہے اس کی محبت فطرتاً اس کی مخلوق میں بھی ہوگی۔ عرب میں پانی کی قلت اور گرمی کی شدت تھی اس کے باوجود مسلمانوں کو پانچ وقت وضو کا حکم دیا گیا کم از کم ہفتہ میں ایک بار نہانا لازمی قرار دیا گیا۔ جمعہ کے روز نہانا ہی لازمی قرار نہیں دیا گیا بلکہ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا کہ اس روز کپڑے بھی صاف ہوں۔ حسبِ مقدور خوشبو بھی استعمال کی جائے تاکہ مجلس میں کسی دوسرے کو جسمانی، ذہنی یا روحانی اذیت نہ پہنچے پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ اس بات کی تاکید کی گئی کہ مجالس میں لہسن پیاز یا کوئی ایسی چیز کھا کر مت جاؤ جس سے دوسروں کو کراہت ہو۔ راستوں سے اذیت رساں چیزیں ہٹایا کرو یہ بھی نیکی اور ثواب ہے اس لئے کہ اگر راستے میں کوئی اذیت رساں چیز پڑی ہو اور اس سے کسی کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے یہ بھی ایک سماجی جرم ہے نہ یہ کہ خود ہر قسم کی غلاظت اور گندگی راستوں پر پھینک کر عوام کو دکھ پہنچاؤ۔ غور سے دیکھا جائے تو اس

میں وہ رسم بد بھی آتی ہے جو اس دور میں تہذیب یافتہ ملکوں سے کم ترقی یافتہ ملکوں میں آگئی ہے یعنی ایجی ٹیشنیں کرنے کے لئے راستوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دینا، ٹریفک روکنا، بسوں کو آگ لگا دینا، ریلوے کی پٹریاں اکھیڑنا عوام پر پتھراؤ کرنا، گندے انڈے، ٹماٹر، جوتے اور غلیظ چیزیں لوگوں پر پھینکنا۔ یہ تمام چیزیں اسلامی اخلاق کے منافی ہیں۔ اسلام ہر چیز میں اعتدال چاہتا ہے تشدد نہیں۔ اگر ہم حکومت سے یا کسی دوسری جماعت سے کوئی بات منوانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس میں بھی مہذبانہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور معاشرہ کا معیار اخلاق داغدار نہ ہو۔ نمازوں اور عبادات میں بھی پاکیزگی کو محوظِ نظر رکھا گیا ہے نماز کی ادائیگی کے لئے لباس، جسم، جگہ اور ماحول پاکیزہ ہونا چاہیئے کیونکہ پاکیزہ ماحول میں ہی انسان کی روح کو سکون ملتا ہے اور وہ اطمینان کے ساتھ مقررہ فرائض انجام دے سکتا ہے۔ یہی انسانی فطرت اور اعلیٰ اخلاق کا تقاضا ہے۔

صفائی اور پاکیزگی اور دوسروں کے جذبات کا لحاظ رکھنے میں قرآنِ پاک میں خدا کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اگر تم نے کسی مانگنے والے کو کوئی چیز دینی ہو تو ناقص چیز نہ دیا کرو جس سے اس کو کراہت ہو۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ سوچو تو سہی اگر تم کو اس قسم کی ناقص چیز دی جائے تو کیا تم اس کو خوشی سے قبول کرو گے۔ ہو سکتا ہے کہ دل رکھنے کے طور پر تم وہ چیز رکھ لو لیکن تمہارے دل کی کراہت اور نفرت برابر قائم رہے گی۔ پاکیزگی اور صفائی کا دائرہ صرف ظاہری چیزوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے دلوں کو بھی ایک دوسرے کی کدورت اور نفرت سے پاک رکھو۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات رکھنے، بات کرنے، لین دین کرنے اور دوسرے معاملات میں بھی صفائی اور پاکیزگی کو معیار قرار دیا ہے کہ اگر کسی پر احسان کرو تو بعد میں جتا کر دکھ نہ پہنچاؤ۔ بات کرو تو ہنس کر اور خوش اخلاقی سے کرو۔ معاملات کرو تو ان میں سچائی اور دیانت کو شعار بناؤ۔ مفاد حاصل کرنے کا موقعہ ہو تو اس میں دوسرے کا بھی ویسا ہی خیال رکھو جیسا اپنا رکھتے ہو۔ بالغرض پاکیزگی کے ضمن میں بھی اسلام چاہتا ہے کہ ہماری ہر چیز پاکیزہ ہو۔ ہمارے جسم پاکیزہ ہوں ہمارے لباس پاکیزہ ہوں ہمارا ماحول پاکیزہ ہو ہماری زبان پاکیزہ ہو ہمارے دل پاکیزہ ہوں ہمارے ہاتھ پاکیزہ ہوں۔ اسی لئے حضرت نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ کا مقصد صرف بھوکا رہنا نہیں بلکہ روزہ دار کا ہر عضو روزے سے یعنی پاکیزہ ہونا چاہیئے۔

(۸)

انسان فطرت سلیمہ لے کر پیدا ہوتا ہے جب وہ اس دنیا میں آتا ہے وہ جھوٹ، فریب کاری بد دیانتی، بد اخلاقی اور ظلم و استبداد کے ہتھکنڈوں سے نا آشنا ہوتا ہے۔ پھر وہ رفتہ رفتہ ماحول اور صحبت کا اثر قبول کرتا ہے۔ اسے جیسی صحبت ملتی ہے جیسے ماحول میں پرورش پاتا ہے اسی میں ڈھل جاتا ہے۔ اگر ماحول اچھا ہو تو بچہ بھی اچھا بن جاتا ہے اور اگر ماحول بُرا ہو تو بچہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے اور وہی بُرائیاں اپنا لیتا ہے جو اس کے ماحول میں عام ہوتی ہیں ایسے ہی بچے بڑے ہو کر سماج اور معاشرے کے لئے خرابی اور بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور ان سے ایسے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو انسانیت کے لئے باعثِ ننگ و عار ہوتے ہیں اسی لئے اسلام نے بچوں کی اچھی تربیت کرنے اور اچھے ماحول میں رکھنے پر زور دیا ہے تاکہ معاشرہ میں ایسی خرابیاں پیدا نہ ہوں جو بعد میں لوگوں کے لئے دکھ اور تکلیف کا باعث بنیں مثلاً بعض لوگوں میں بددیانتی کی عادت مستحکم ہو جاتی ہے اور وہ بعد میں ہر بات اور ہر معاملہ میں بد دیانتی سے کام لیتے ہیں وہ اپنے فرائض میں بھی بد دیانتی برتتے ہیں۔ اور اس طرح معاشرہ میں ایک ایسی بُرائی کا بیج بو دیتے ہیں جو آہستہ آہستہ ہر جگہ پھیل جاتی ہے رشوت دینا اور رشوت لینا ایک اسی قسم کی بد دیانتی ہے ایک شخص ناجائز مفاد کے لئے یا دوسروں کا حق دبانے کے لئے رشوت دیتا ہے اور دوسرا رشوت لے کر بد دیانتی کا ارتکاب کرتا ہے رفتہ رفتہ یہ مرض بڑھ کر معاشرہ کے لئے مصیبت بنجاتا ہے اور معاشرہ ایک قسم کا جہنم بن جاتا ہے رشوت دینے اور لینے والے وقتی طور پر اپنا کام نکال لیتے ہیں جو لوگ رشوت دینے اور لینے کو برا سمجھتے ہیں یا اس کی طاقت نہیں رکھتے ان کے حقوق مارے جاتے ہیں اور ان کو محرومی کی آگ میں جلنا پڑتا ہے اسی لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں اس لئے کہ وہ معاشرہ کے

لئے ایک جنت تعمیر کرنے کے بجائے جہنم تعمیر کرتے ہیں جس میں ڈر، خوف، نفرت اور حقارت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے برائی اسی حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ رشوت دینے اور لینے والوں کے خلاف ایک عام جذبۂ نفرت پیدا ہو جاتا ہے جو معاشرہ میں بے چینی اور بے اطمینانی پیدا کرتا ہے جن لوگوں کے حقوق مارے جاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں جلن پیدا ہو جاتی ہے وہ انتقام لینے کے دوسرے راستے تلاش کرتے ہیں۔ اسی معاشرہ عذاب سے بچنے کے لئے خداوند کریم فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کا مال جھوٹ، فریب اور بد دیانتی کے ذریعہ مت کھاؤ اور نہ اس کو حاکموں کی طرف لے جاؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ سچ کیا ہے؟ اور جھوٹ کیا ہے؟ بد دیانتی کرنے والے اور رشوت لینے اور دینے والے جانتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے لیکن جب ان کی آنکھوں پر بدی اور خودغرضی کے پردے پڑ جاتے ہیں تو وہ اس حق کو دبانے اور چھپانے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں، جس سے ان کا ضمیر اور داغدار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ دیانتداری سے کام لیتے ان کا ضمیر بھی مطمئن رہتا، معاشرہ میں ان کی عزت بھی برقرار رہتی اور معاشرہ بھی ایک خطرناک برائی سے محفوظ رہتا۔ اسلام نے صرف رشوت دینے اور لینے سے ہی منع نہیں کیا بلکہ اس بارہ میں اتنی تلقین کی گئی ہے کہ بد دیانتی زندگی کے کسی شعبے میں داخل نہ ہونے پائے مثلاً فرمایا جب تمہیں امین بنایا جائے تو وہ امانت پوری پوری واپس کردو اگر تمہاری تحویل میں یتیموں کا مال ہو تو اس کو ناقص مال سے تبدیل مت کرو بلکہ جو کچھ تمہاری تحویل میں دیا گیا ہے اور جن شرائط کے ساتھ دیا گیا ہے۔ وہی چیز انہی شرائط کے ساتھ واپس کردو۔ ہاں اگر تم ان یتیموں کا مال بڑھانے کے لئے تجارت یا کسی اور مفید کاروبار میں لگاؤ تو اس صورت میں بھی اُن کے پورے پورے واجبات ادا کرو۔ اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں دیانت داری برتنے اور ایمانداری کے ساتھ معاملات نبھانے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اگر زندگی کے کسی شعبے میں بھی بد دیانتی داخل ہو جائے تو وہ وبا کی طرح پھیل کر دوسرے شعبوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ الغرض بد دیانتی ایک ایسی غیر اخلاقی اور غیر انسانی برائی ہے جس سے ہر شخص کو ہر حال میں بچنا چاہیئے یہی انسانی اخلاق کا

کا عروج اور معاشرہ میں امن و اطمینان قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاشرہ کی بے اطمینانی کی سب سے بڑی وجہ جھوٹ، فریب کاری، بد دیانتی اور بد اخلاقی ہے، جس سے مسلمان کو کوسوں دُور بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان دنیا میں اخلاق اور انسانیت کا پیغامبر ہے۔

مشرب بادہ گساران کہن ایں بوداست
کہ تو از میکدہ خیزی ہمہ مستی ہمہ ہوش
من نگویم کہ فرو لب بند از نکتہ شوق
ادب از دست مدہ بادہ باندازہ بنوش
گرد راہم ولے ذوقِ طلب جوہر ماست
بندگی باہمہ جبروتِ خدائی مفروش

۹

انسان حیوان متمدن ہے۔ وہ مِل جل کر ایک جگہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے دُکھ سکھ میں شریک رہتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اپنی خواہشات کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر باہمی ہم آہنگی نہ ہو تو انسان کا وہ فطری مقصد پورا نہیں ہو سکتا جس کی خاطر وہ مِل جل کر رہنا چاہتا ہے اس متمدن زندگی میں کئی رشتے اور تعلق ہوتے ہیں۔ کاروباری رشتے، ہمسائیگت کے رشتے، دوستی کے رشتے، ہم پیشگی کے رشتے، ہم مزاجی کے رشتے، خون کے رشتے اور دوسرے یکساں مفادات کے رشتے۔ یہ رشتے جبھی مضبوط ہو سکتے ہیں کہ لوگ مِل جل کر رہنے کے آداب اور اصولوں کو مدنظر رکھیں خونی رشتے تو بہرحال سب رشتوں سے مضبوط مانے جاتے ہیں۔ اس لئے اکثر عزیز و اقارب ایک دوسرے کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اگرچہ روحانی یا مذہبی رشتے خونی رشتوں پر بھی غالب آتے ہیں جو لوگ خدا کی حاکمیت پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ اس رشتے کو سب رشتوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ باقی رشتوں کا تعلق ایسے اسباب سے ہوتا ہے جو کبھی مضبوط ہو جاتے ہیں اور کبھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً کاروباری رشتوں کو ہی لیجئے۔ ان کے استحکام اور مضبوطی کا اسی وقت تک دعویٰ کیا جا سکتا ہے جب تک کاروبار میں ہم آہنگی رہتی ہے یہی حال دوسرے غیر خونی اور غیر روحانی رشتوں کا ہے لیکن ایک رشتہ ایسا ہے جس میں اگر خرابی آ جائے یا خلا پڑ جائے تو انسانی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے وہ ہے ہمسائیگی کا رشتہ۔ جو لوگ ایک جگہ اور ایک ماحول میں رہتے ہیں

ان کا چوبیس گھنٹے آپس میں تعلق رہتا ہے۔ اگر اس تعلق میں کوئی خرابی آجائے تو زندہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلام جہاں اور قریب کے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے کی تلقین کرتا ہے وہاں حقِ ہمسائیگی کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہمسایوں کا حق ادا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات اس سلسلہ میں اتنی نصیحت فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ کہیں ہمسایہ بھی عزیز و اقارب کی طرح وارث ہی قرار نہ دیا جائے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمسایوں کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ جس راستہ سے اکثر گزرا کرتے تھے، وہاں ایک یہودن کا گھر تھا جو بغض اور عداوت کی وجہ سے اکثر اس محسنِ انسانیت پر کوڑا کرکٹ پھینک دیا کرتی تھی۔ ایک دو دن اس مذموم فعل میں وقفہ پڑ گیا تو حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ہماری ہمسایہ یہودن کہیں چلی گئی ہے کیا؟ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ بیمار ہے۔ آپؐ کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ اُٹھ کر عیادت کے لئے اس کے گھر گئے۔ حال دریافت کیا۔ دوا دارو کے متعلق پوچھا، اور اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ سلوک تھا محسنِ انسانیت کا اُن ہمسایوں کے ساتھ جو آپ کو دکھ دینے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ آس پاس رہنے والوں کے ساتھ حضورؐ بلا لحاظ مذہب و ملت حسنِ سلوک سے پیش آیا کرتے تھے۔ اُن کی خبر گیری کرتے تھے، ان کی معاونت کرتے تھے۔ اُن کا خاص خیال رکھا کرتے تھے، اس لئے کہ یہی انسانیت کا وہ بلند اخلاقی معیار ہے جس کو برقرار رکھ کر دنیا خوشگوار زندگی بسر کر سکتی ہے اور متمدن زندگی کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے بھی ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تعلیم دی ہے۔ ہمارے رشتے اس سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم ہیں۔ ہم اسلام کے لازوال رشتوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں۔ ہم ایک آزاد اور خود مختار ملک کے رہنے والے ہیں۔ ہم انسان ہیں جو متمدن زندگی کے خوگر ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے متعلق اپنے دلوں میں زیادہ ہمدردی کا جذبہ پیدا کریں ایک دوسرے کے سکھ دُکھ میں شریک رہیں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھیں یہی اسلام کی

تعلیم ہے اور اسی تعلیم کو اپنا کر انسان اچھے اور باوقار متمدن مخلوق بن سکتے ہیں۔ اسلام سے پہلے یہ جذبہ خیر سگالی بہت حد تک ختم ہو چکا تھا۔ اسلام نے اس فطری جذبہ کی آبیاری کی، عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی۔ ہمسایوں کا حق مقدم رکھنے کا درس دیا اور تمام بنی نوع انسان میں بھائی چارہ قائم کرنے کی تلقین کی۔ اس بلند پایہ تعلیم کے ہوتے ہوئے اگر ہم اپنوں سے بھی کھچے کھچے رہیں تو اس کا انجام لازماً دکھ اور بے چینی ہو گا۔ اس کوتاہی کی وجہ سے ہم خدا کے مواخذہ اور گرفت میں آئیں گے جس سے ہماری زندگی کا وہ حسن جاتا رہے گا جو متمدن زندگی کا خاصہ ہے۔ ہمارا مذہب یعنی اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ انسانیت کا مذہب ہے جو تمام انسانوں میں اخوت و مساوات قائم کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ ہر مسلمان کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ کہ وہ بھلائی اور نیکی کی تبلیغ کرے۔ بدی اور بُرائی کے خلاف جہاد کرے تاکہ ساری انسانی برادری امن و سکون کی زندگی بسر کر سکے۔ اگر ہم اپنوں کے ساتھ ہی بیر رکھنا اپنی عادت بنا لیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے اسلام کے زندگی بخش اصولوں کو فراموش کر دیا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجاء غریبوں کا ماوے!
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولے!

۱۰

حضرتِ انسان کو قدرت کی طرف سے اشرف المخلوقات ہونے کا معزز لقب دیا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا کہ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے وہ حضرتِ انسان کی خدمت اور مفاد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر خدا نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ قرار دیا۔ ملائکہ کو حکم ہوا کہ تم آدمِ خاکی کی اطاعت کرو۔ اس طرح انسان کو مسجود ملائک بنایا گیا۔ اس کی خودی اور خودداری کو مستحکم کرنے کے لئے کہا گیا کہ انسان صرف معبود برحق کی بندگی کرے۔ اگر وہ کسی دوسری چیز کے آگے جُھکتا ہے تو یہ ظلمِ عظیم ہوگا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب ایک ہستی کو مخلوق کا سربراہ بنایا گیا، اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ درختوں، پتھروں اور حیوانات کے آگے سجدہ ریز ہو، وہ چاند، سورج اور ستاروں کو اپنا کارساز بنالے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ اپنے مرتبہ اور اعزاز کی نفی کرتا ہے، اپنے مقام کی تحقیر کرتا ہے۔ اُس عزّت وحرمت کو دھتکارتا ہے جو اس کے لئے مخصوص ہے اس لئے کہ شجر و حجر، حیوانات اور نباتات اُس کے خادم اور غلام ہیں۔ کوئی صحیح الدماغ انسان یہ گوارا نہیں کرے گا کہ وہ اپنے خادموں اور غلاموں کے آگے سجدہ ریز ہو اور اس طرح اپنی خودی اور خودداری کو مجروح کرے۔ اسی لئے اسلام نے مسلمان کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ پر ایمان رکھتا ہے، زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے اور اعضاء وجوارح سے اس پر عمل کرتا ہے لا الہ الا اللہ کے ذریعہ وہ تمام معبودانِ باطلہ کے وجود کی نفی کرتا ہے اور اس کلمہ میں حضرت خیر البشر محمد مصطفٰےؐ واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے شریک رکھا گیا ہے کہ وہ محسنِ انسانیت

ہیں۔ انہوں نے انسان کو اپنے مرتبہ اور منزلت سے آگاہ کیا اور اس کے لئے قرآن کریم کی صورت میں وہ آخری پیغام لے کر آئے جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی ابہام۔ قرآن کریم انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کا لائحہ عمل ہے جس پر چل کر کوئی راہ راست سے بھٹک نہیں سکتا۔ اسی مفہوم کو مدِ نظر رکھ کر فرزند کشمیر علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ع

خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

جب انسان اپنے مقام اور مرتبہ کو سمجھتا ہے تو وہ ماسوائے اللہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کی نظروں میں پھر کوئی دوسری چیز نہیں سما سکتی۔ وہ خدا میں سما جاتا ہے اور خدا اس میں سما جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو خدا کا ہو جائے اور خدا اس کا ہو جائے وہ نہ تو غیر سے ڈرتا ہے اور نہ غیر اس کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خودی و خودداری اور کبر و غرور میں زمین و آسمان کا فرق ہے خوددار انسان اپنے آپ کو پہچانتا ہے اور غرور و نخوت والا اپنے مقام اور مرتبہ کو بھول جاتا ہے اور اعلےٰ انسانی صفات سے محروم ہو جاتا ہے اس کی حیثیت حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ انسان کو جہاں کلمہ لا الہ الا اللہ کے ذریعہ خودی اور خودداری کا سبق دیا گیا وہاں اس پر یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی کہ خدا کی زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چلو۔ اپنے اندر حلم، اور بردباری کا مادہ پیدا کرو۔ اپنے آپ کو مفید خلائق بناؤ۔ جب تمہیں اشرف المخلوقات بنا کر کائنات کا سربراہ بنایا گیا ہے تو تم پر یہ فرض عاید ہو جاتا ہے کہ جس مخلوق کو تمہاری تحویل میں دیا گیا ہے ان کے حقوق بھی ادا کرو۔ ان کی ذمہ داریوں کو بھی نبھاؤ۔ اور اس طرح اپنے آپ کو اس انعام کا مستحق ثابت کرو جو خدا نے بنی نوع انسان پر کیا ہے۔ لہذا انسان کو خودی اور خودداری کے نام پر کبر و غرور اور نخوت کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ عباد الرحمٰن کا راستہ نہیں عباد الرحمٰن کا راستہ یہ ہے کہ وہ زمین پر نرمی اور آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ اُن سے اُلجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ یہی دنیا کے امن و سلامتی کا راستہ ہے جس پر چل کر ہمارے بزرگوں نے بہت بڑے مراتب حاصل کیئے۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے

کہ اسلام عفو و درگذر کی تعلیم دیتا ہے لیکن ساتھ یہ بھی فرماتا ہے کہ جو لاتوں کے بھوت باتوں سے سیدھے نہ ہوں اُن کے ساتھ وہی سلوک کرو جس کے وہ مستحق ہیں لیکن انتقام کے لئے نہیں بلکہ حق و صداقت کا بول بالا کرنے کے لئے۔ روایت ہے کہ چند نوجوان بڑے ناز و انداز سے چل رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن پر نظر پڑی۔ فرمایا کہ کبر و غرور خدا کو ناپسند ہے، لیکن ان جوانوں کے ناز و انداز خدا کو بہت ہی پیارے ہیں اس لئے کہ ان کے اس ناز و انداز میں خودنمائی نہیں بلکہ یہ صرف راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس طرح سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی چال ڈھال سے دشمنان خدا مرعوب ہو رہے ہیں۔ لہذا اِن کا یہ انداز فی الواقعہ موجب ثواب ہے۔ اسی طرح قصاص کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ معافی اور درگذر بڑی چیز ہے تاہم قصاص بھی اپنے اندر کچھ مفادات رکھتا ہے۔ قصاص میں تمہارے لئے مطمئن زندگی کی بشارت موجود ہے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری

(۱۱)

کوئی نظریہ جب اپنے مرکز سے دور ہو جاتا ہے اس میں کچھ افسانویت سی پیدا ہو جاتی ہے یا پیدا کی جاتی ہے تاکہ اس کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کو قائم رکھا جائے لیکن یہ بناوٹی دلچسپی بھی اسی افسانوی کیفیت تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور اصل نظریہ پسِ منظر میں جا کر لوگوں کے دل و دماغ سے بالکل مٹ جاتا ہے بعد میں افسانے اور رسم و رواج ہی اصل نظریہ کی جگہ لے لیتے ہیں اور جب لوگوں کی نظروں میں وسعت آتی ہے تو وہ ان افسانوں کو سن کر ہنستے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ یہی حشر پہلے مذاہب کا ہوا۔ وہ مذاہب اوّل محدود علاقائی اور قبائلی ضروریات کے پیش نظر بھیجے گئے تھے۔ جب ان کے معتقدین نے ان کو کلیتًا افسانوی رنگ دیا تو اُن کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی یا تو بالکل ختم ہو گئی یا وہ ان مقاصد کی تکمیل نہ کر سکے جن کی تکمیل کے لئے وہ بھیجے گئے تھے اور اس صورتِ حال سے نپٹنے اور معاشرہ کو راہ راست پر لانے کے لئے ایک عالمگیر آفاقی مذہب اسلام دنیا کو دیا گیا۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اسلام دلیل و منطق کا مذہب، اسلام اعلیٰ انسانی اقدار کا مذہب ہے جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لئے نہایت شُستہ اور صاف اصول مقرر کئے ہیں اور ان تمام اصولوں کی بنیاد عقل و حکمت اور آئینِ فطرت پر رکھی گئی، تاکہ خدا کی اس آخری ہدایت کو افسانویت کا رنگ نہ دیا جائے۔ اسلام نے مسیحیت کی طرح یہ نہیں کہا کہ ایک تین ہے اور تین ایک۔ اس نے واضح لفظوں میں کہا کہ اگر نظامِ کائنات کو چلانے والی بہت سی ہستیاں ہوتیں تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ اسلام نے

یہ نہیں کہا کہ فلاں بزرگ نے قربانی دی ہے وہ قربانی تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ ہے بلکہ یہ قانون لاگو کر دیا کہ ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق سلوک ہوگا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ عالم ہیں۔ ان کا قلب اطہر انسانوں کی بھلائی اور ہدایت کے لئے بیقرار ہے لیکن وہ محض خدا کے رسول ہیں اور ان کا مشن انسانی زندگی کو سدھارنے کے لئے قدرت کے اعلیٰ اور بے خطا اصولوں کی تبلیغ ہے۔ دنیا ان اصولوں پر چل کر ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اسلام ایک آسان، پاکیزہ اور سیدھا سادا مذہب ہے یہ نہ تو دیومالائی ہے اور نہ کوئی چیستان۔ لہذا اس پر اسی نظریہ سے عمل ہونا چاہیئے۔ اسلام کا کوئی حکم کوئی نقطہ، کوئی سوشہ عمل و حکمت کے دائرے سے باہر نہیں۔ لہذا ان اصولوں کو اسی کسوٹی پر پرکھا جانا چاہیئے یہی اسلام کی حقیقت ہے۔ اسلام نوع انسان پر بے معنی بوجھ نہیں ڈالتا۔ وہ لوگوں کو الٹا لٹکنے یا خدا کی دی ہوئی قوتوں کو مفلوج کرنے کی تلقین نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس رہبانیت سے منع کرتا ہے۔ قدرت کی دی ہوئی قوتوں سے پورا پورا کام لینے کی تلقین کرتا ہے تاکہ اس طرح انسانی معاشرہ ان نقائص سے پاک ہو جائے جو اس اشرف المخلوقات کی ترقی کی راہ میں حائل ہو سکتے ہوں۔ سو ہمیں اسلام کو اسی نظریہ سے اپنانا چاہیئے جب تک مسلمان اس اصول پر کاربند رہے وہ ہر میدان میں آگے بڑھتے رہے۔ انہوں نے فتوحات حاصل کیں۔ انہوں نے وحشیوں کو مہذب بنایا۔ اُن کو دولت مِل گئی۔ ان کو علم و حکمت کے خزانے عطا ہوئے اور وہ دنیا کے معزز ترین لوگ کہلائے اور جب ان اعلیٰ اصولوں کو فراموش کر کے افسانویت کو اپنایا گیا تو اسلام کے بلند اصولوں کا اثر و نفوذ پسِ منظر میں جا پڑا جس سے معاشرہ میں کئی بُرائیاں پیدا ہو گئیں۔ دنیا نے مادی ترقیوں میں میدان مار لئے اور ہم افسانوں کو ہوا دیتے رہے۔ نوجوان پود چونکہ دنیا کی مادی ترقی سے متاثر تھی وہ اسلام سے دُور اور غافل ہوتے گئے۔ قوم نے اس بیماری کی روک تھام کے لئے کوئی موثر انتظام نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج یہ شکایت عام ہے کہ ہماری نئی پود اسلام سے غافل اور دور ہے۔ اسلام ایک سدا بہار چمن ہے۔ اس پر کبھی خزاں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔ البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کی روشوں کو آراستہ کریں اس میں جو بے معنی گھانس پھونس لگائی گئی ہے اس کو جڑوں سے اکھیڑ کر باہر پھینک دیں۔ اس کے زندگی بخش چشموں کو صاف کریں اور پھر دنیا کے ساتھ اپنی نئی پود کو دعوت دیں کہ وہ آکر اسلام اور دوسرے طریقہ ہائے زندگی کا مقابلہ کریں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اسلام ہی ایک زندہ حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کی کشتی حیات کو ساحل مُراد تک پہنچا سکتی ہے اور دنیا میں ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکتی ہے جو ہر قسم کی خرابی اور بُرائی سے پاک ہو۔ جو خدا کی زمین میں امن و آشتی کے پھریرے لہرائے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو ایک ایسے مرکز پر جمع کر دے جہاں وہ کبھی کسی معاملے میں ناکام نہیں ہو سکتی۔

مگو کارِ جہاں نا استوار است
ہر آنِ ما ابد را پردہ دار است
بگیر امروز را محکم کہ فردا
ہنوز اندر ضمیر روزگار است

۱۲

اس زمین کی رونق انسان سے ہے۔ وہی اس کی شانہ گری کرتا ہے اس میں رنگارنگ پھول اگاتا ہے، سبزہ زار بناتا ہے، باغات لگاتا ہے، فصلیں اگاتا ہے۔ وحشیوں کو رام کر کے ان سے مفید کام لیتا ہے۔ غرض یہ کہ اگر حضرتِ انسان کا وجود زمین پر نہ ہو تو یہ ساری کائنات بے رنگ و بو رہے۔ خدا کی اس وسیع زمین پر کوئی رونق نہ ہو۔ ہر چیز سونی سونی اور بے مزہ دکھائی دے، اسی سے شرفِ انسانی کا ثبوت ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مخلوق اس قدر کار آمد ہو کہ وہ سونی دھرتی کو سوہنی دھرتی بنائے اس کی قدر و قیمت بھی ویسی ہی ہو گی۔ اسی وجہ سے قتلِ انسان کو خداوند کریم نے بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ جو خدا پر ایمان رکھنے والا کسی انسان کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے۔ قتل کا بدلہ قتل قرار دیا گیا اور اگر کسی وجہ سے یہ سزا معاف کر دی جائے۔ پھر بھی قتل کا خون بہا لازمی قرار دیا گیا اور اگر خون بہا کی ادائیگی میں بھی کسی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو جائے تو حکم ہوا کہ ایک غلام کو آزاد کر دو اور اگر مقتول کے لواحقین معاف بھی کر دیں۔ اس معافی کا صلہ یہ قرار دیا گیا کہ جن شرائط کے ساتھ معافی دی جائے ان کو من وعن پورا کیا جائے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو باعثِ ننگ و عار جان کر زندہ درگور کیا کرتے تھے۔ قرآن نے اس وحشیانہ فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ایک لڑکی کی اچھی تربیت اور پرورش کرتا ہے وہ جنّت میں جائے گا بعض لوگ افلاس اور غربت کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ اس فعلِ بد سے یہ کہہ کر منع فرمایا۔

کہ رزق کا کفیل تمہارا پیدا کرنے والا ہے وہ جس طرح تم کو روزی دیتا ہے اسی طرح ان نووارد بچوں کی بھی پرورش کرتا ہے لہٰذا افلاس کے ڈر سے ان معصوم جانوں کو موت کے گھاٹ مت اتارو۔ پھر فرمایا کہ جس نے ایک جان کو قتل کیا، اُس نے گویا سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک جان کی زندگی کی حفاظت کی اس نے گویا سب انسانوں کو زندگی بخش دی۔ اس لئے کہ اگر معاشرہ میں قتل و غارت گری کی بیماری پھیل جائے وہ پھر رُکنے میں نہیں آتی۔ خودکشی کے بارہ میں فرمایا کہ اپنے آپ کو خود ہلاکت میں مت ڈالو۔ یعنی بھوک ہڑتالوں، خود سوختنی یا کسی اور ذریعہ سے خودکشی کا اقدام مت کرو۔ ہمارے زمانہ میں یہ وبا عام ہو رہی ہے۔ برصغیر میں اس فتنہ کو گاندھی جی نے جنم دیا اور اب وہ لوگ بھی یہ حربہ استعمال کرتے ہیں جن کے لئے مذہباً انسانی جان ایک قیمتی چیز ہے اور جن کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ کبھی انسانی جانوں کے اتلاف کا ارادہ بھی نہ کریں۔ آگے چل کر حکم ہوا کہ خدا کی زمین میں فتنہ و فساد بپا کرنا بھی قتل کے ہی مترادف ہے۔ اس زمانہ میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہے کہ جو لوگ اپنے مخصوص ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایجی ٹیشنیں کرتے یا کراتے ہیں وہ بالآخر لوگوں کو قتل و غارت گری پر ہی آمادہ کرتے ہیں یا یہ کہ ان ایجی ٹیشنوں کا انجام ہی قتل و غارت گری ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں اس قسم کی شر انگیزی کو بہت بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس قسم کے افعال سے کوسوں دُور بھاگنا چاہیئے۔ یہی تقویٰ اور خدا شناسی کا مقام ہے جو شخص اپنے آپ کو اس مقام سے گراتا ہے وہ انسان نہیں وحشی ہے۔ کسی دوسری جگہ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام ایسے جاہلانہ اقدامات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جن سے انسانی جانوں کا اتلاف ہو جائے۔ اس کے برعکس ارشاد ہوا کہ جو شخص ایک جان کی بھی حفاظت کرتا ہے وہ گویا سب انسانوں کو دائمی زندگی سے لطف اندوز کرتا ہے۔ الغرض پُرامن لوگوں میں فتنہ و فساد ڈال کر قتل و غارت گری کی راہ ہموار کرنا انسانی معاشرے کے ساتھ ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ مسلمانوں نے ابتدائی دور میں دفاعی جنگیں لڑی ہیں اور ان جنگوں میں جانے کے لئے بھی ہر وقت یہ تاکید کی جاتی تھی

کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر تلوار مت چلاؤ۔ بلکہ معاملات افہام و تفہیم کے ذریعہ طے کرو۔ تاکہ لوگوں میں اضطراب اور بے چینی نہ پھیلے۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہ بنیں۔ جو لوگ ان زندگی بخش قدروں کو بے اثر کرنے کے لئے مکر اور فریب کے راستے اختیار کرتے ہیں وہ انسانی معاشرہ کے معمار نہیں بن سکتے بلکہ وہ قرآنی اصول کے تحت نیکی اور تقویٰ کے راستے بند کرتے ہیں۔ جو لوگ ان خدائی احکام پر عمل نہیں کرتے وہ انسانی معاشرے کے دشمن ہیں اور وہ خود بھی کبھی سکھ نہیں پا سکتے الغرض انسانی زندگی ایک گرانمایہ دولت ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں۔ غیروں کی تقلید میں ایسے ہتھکنڈے استعمال نہ کریں جن سے معاشرے میں قتل و غارت گری کی بنیاد پڑ جائے۔

اگر اختلاف ان میں باہمد گر تھا
تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

۱۴

انسان دنیادی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ ضروریات بھی ہوتی ہیں
خدا کا ارشاد ہے کہ میں تمام جہانوں کی پرورش کرتا ہوں۔ اس صفتِ ربوبیت کے تحت انسان
کو اس وقت تک مفت راشن ملتا ہے جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوتا۔ ہوا، پانی،
روشنی اور دیگر اس قسم کی ضروریات کا پہلے ہی انتظام رکھا گیا ہے۔ خوراک اور رہائش کے لئے
والدین کے دل میں جذبۂ شفقت بھرا گیا ہے۔ اس طرح ابتدائی دور میں انسان روٹی، کپڑے اور مکان
کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ خدا کا ارشاد ہے کہ زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے بھی جاندار
ہیں۔ ان کے رزق کا انتظام قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے وہی ان کی جائے قیام کو بھی جانتا
ہے اور جہاں بعد میں انہیں جانا ہو اس کا بھی انتظام موجود ہوتا ہے یہ الگ سوال ہے کہ انسان
اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے ان انتظامات سے بے خبر ہو لیکن قدرت بے خبر نہیں۔ انسان سنِ
شعور کو پہنچتا ہے تو وہ قوتیں نمودار ہو جاتی ہیں جو قدرت نے اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے
لئے اس کو ودیعت کی ہیں اور ساتھ ہی اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں وہی ملے گا جس کو حاصل
کرنے کے لئے قدرت کی دی ہوئی قوتوں سے کام لو گے جو لوگ ان قوتوں کو استعمال
کرتے ہیں وہ خود بھی آگے بڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ چلانے کی کوشش کرتے ہیں
اسی کو باہمی تعاون، انسانی ہمدردی اور شفقت و مروت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے مسلمانوں

نے ابتدائی دور میں مخالفت اور مشکلات کے باوجود جو انقلابی ترقی کی اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جو شخص دائرہ اسلام میں قدم رکھتا تھا۔ وہ اپنے اوپر یہ فرض عاید کرتا تھا کہ میں نے اُن قوتوں سے پورا پورا کام لینا ہے جو قدرت نے مجھے ودیعت کی ہیں اور ان قوتوں کے ذریعہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا ہے۔ ان میں یہ صلاحیت پیدا کرنی ہے کہ وہ بھی خدا کی دی ہوئی ان نعمتوں کا صحیح، جائز اور بروقت استعمال کریں۔ اس لئے کہ جو لوگ خدا کی دی ہوئی ان نعمتوں کو استعمال نہیں کرتے ان سے یہ قوتیں چھین لی جاتی ہیں۔ کبھی عملاً اور کبھی ذہنی لحاظ سے، اس لئے کہ خدا خود فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو جائز رنگ میں استعمال نہیں کرتے ان کو سخت سزا مل جاتی ہے وہ سزا یہ بھی ہے کہ وہ ان قوتوں سے مفاد حاصل کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ عربی میں شکرانِ نعمت کا یہی مفہوم ہے کہ ایک چیز کی قدر کی جائے اور اس سے جائز استفادہ کیا جائے۔ کفرانِ نعمت کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو غلط رنگ میں غلط جگہ استعمال کر کے اس کی افادیت کو ختم کرا یا جائے۔ اسی وجہ سے اسلام نے رہبانیت یعنی بیکار درویشی اور فقیری سے منع کیا ہے۔ اسلام میں صوفیائے کرام کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ خدا کے دئیے ہوئے قویٰ سے پورا پورا کام لیتے رہے ہیں جس کے لئے ایک مشہور مقولہ رہنمائی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ "دست درکار، دل بایار" یعنی انسان کی نس نس میں خدا کی عظمت اور جلال کا پرتو ہو اور اس کا ہاتھ خدائی احکام کے مطابق کام میں لگا ہوا ہو۔ خدا پر توکل اور بھروسہ اپنی جگہ درست ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو ضائع نہ کیا جائے۔ اسی لئے رب العزت نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ خدا ان لوگوں کی حالت کبھی نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ گاڑی میں تیل اور پرزے خدا کی قدرتی مصنوعات سے ہی تیار ہوتے ہیں لیکن جب تک ڈرائیور انجن کو سٹارٹ نہ کرے گاڑی نہیں چل سکتی۔ قوتیں سب خدا نے پیدا کی ہیں، اور ان کو سٹارٹ کرنے کی ذمہ داری انسان پر ڈالی گئی ہے تاکہ وہ لذتِ حرکت سے آشنا اور لطف اندوز رہے۔ پھر فرمایا کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، ایک

دوسرے کا ہاتھ بٹاؤ۔ البتہ غلط اور بُرے کاموں کی نہ تو تحریک کرو۔ نہ بُرائی میں کسی کی معاونت کرو اور اس طرح معاشرے میں خود کفالتی کی روح پیدا کرو تاکہ تمہیں دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ ہونا پڑے مسلمان کے لئے عجز کلنک کا ٹیکا ہے جس کو وہ کبھی برداشت نہیں کرتا، وہ دوسروں کو سہارا دینے میں لذت محسوس کرتا ہے اور دوسروں کی محتاجی کو اپنی غیرت کے لئے ایک چیلنج خیال کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا مالک فرماتا ہے کہ اُوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی دوسروں کی مدد کرنے والا، دوسروں کی مدد کا محتاج رہنے والے سے بہتر ہے۔ الغرض اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم خدا کی دی ہوئی قوتوں سے پورا پورا کام لیں۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کریں۔ دوسروں کے ساتھ اچھے کاموں میں تعاون کریں اور اس طرح اپنی انفرادی اور ملی ترقی کے لئے راہ ہموار کریں۔ دوسرے الفاظ میں مسلمان ایک متحرک اور غیرت مند قوت ہے جس کا قدم ہمیشہ آگے کو اُٹھتا ہے وہ خود بھی آگے بڑھتا ہے اور دوسروں کو بھی زندگی کے ہر شعبہ میں آگے بڑھاتا ہے وہ معاشرہ میں نیکی، علم، محنت کی عظمت، باہمی شفقت، باہمی امداد و تعاون اور خیر سگالی کو بڑھاوا دیتا ہے اس طرح وہ دنیا میں ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں اعلیٰ پایہ کی انسانی صفات موجود ہوں اور اس معاشرہ کی موجودگی میں یہ دنیاوی زندگی پُر لطف اور پُر سکون بنے۔

گرنے والوں کو گدڑی کے اُٹھانے سے بھلا کیا حاصل
خاک آلودہ برادر کو اُٹھائے کوئی

۱۴

اسلام دنیا میں امن و آشتی کا دور دورہ چاہتا ہے۔ اسلام دنیا میں ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو خوبیوں کا پیکر اور بُرائیوں سے پاک ہو۔ اسلام دنیا میں اعلےٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کی سربلندی چاہتا ہے۔ ان ہی اعلےٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں ایک بلند ہمت، باغیرت اور عزم و استقلال سے آراستہ قوم اُبھری۔ جس نے دنیا میں اعلیٰ انسانی اقدار کو مستحکم کیا۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ مفادِ خصوصی رکھنے والوں نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ہر قسم کے ابلیسی ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ ان کو طرح طرح کی انسانیت سوز اذیتیں دی گئیں۔ ان کو گرم ریت پر گھسیٹا گیا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے عزم و ہمت میں فرق نہ آیا۔ اُن کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنے اس بلند مقصدِ حیات کو فراموش نہ کیا۔ ان پر تشدّد ہوتا تھا اور وہ زیادہ عزم و استقلال سے ان نیک مقاصد کی تبلیغ کرتے تھے اور صبر و برداشت کے ساتھ ہنس کر خدا کے راستے میں ان اخلاق سوز اذیتوں کو برداشت کیا کرتے تھے جس سے دشمنانِ اسلام جھنجھلا اُٹھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تلوار سے ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مسلمانوں پر خطرناک جنگیں ٹھونس دیں۔ نہتے اور بے سلاح مسلمانوں کو حکم تھا کہ خدا کی زمین میں فتنہ و فساد کی آبیاری نہ کرو کیونکہ خدا فتنہ و فساد نہیں چاہتا، لیکن جب پانی سر سے گزر گیا۔ دشمنانِ انسانیت

اپنے مکروہ ارادہ کو پورا کرنے پر تل گئے تو مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ اب ظلم کی انتہا ہو گئی ہے اس لئے مسلمانوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ فتنہ و فساد کو ختم کریں ۔ حق و صداقت کی محافظت اور اپنے دفاع کے لئے تلوار کے مقابلے پر تلوار اٹھائیں اور جو لوگ ان پر اس قسم کی زیادتی کرتے ہیں ان کو ان ہی کی زبان میں جواب دیں ۔ لیکن خبردار ! حد سے نہ بڑھنا ۔ جب دشمن صلح کا ہاتھ بڑھائیں اس ہاتھ کو فوراً تھام لینا ۔ جب وہ ہزیمت کھا کر معرکہ جنگ سے بھاگ جائیں تو اُن کا پیچھا نہ کرنا ۔

اس وقت مسلمان تعداد، تیاری اور فنونِ حرب و ضرب میں بھی پس ماندہ تھے وہ صلح و آشتی کے پتلے تھے بھلا ان کا جنگوں سے کیا کام تھا ۔ اس کے باوجود وہ ہمت و جرأت کے ساتھ دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے یہاں تک کہ جن لوگوں کو بدی کے مقابلے کے لئے تلوار اور گھوڑا تک میسر نہ تھا وہ اپنے گھروں میں روتے رہے کہ ہم اس سعادت سے محروم رہ گئے ہیں ۔ اس لئے کہ مسلمان کا ایمان ہے کہ ہماری نمازیں، ہماری قربانیاں، ہماری زندگی اور ہماری موت سب اللہ کے لئے ہے ۔ لہٰذا مسلمان کے دل میں وسوسہ، بزدلی اور ڈر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ مسلمان ہمیشہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرتے رہے ۔ ماؤں نے اپنے بچوں کو کہہ دیا کہ تم میدان جنگ سے غازی بن کر آؤ ۔ یا جامِ شہادت نوش کر کے دائمی زندگی حاصل کرو ۔ اگر میدانِ جنگ سے ڈر کر بھاگ گئے تو ہم تمہیں کبھی معاف نہ کریں گی ۔ خدا کا ارشاد ہوا جب تمہیں میدان جنگ میں کسی بدکردار جماعت کے ساتھ مقابلہ کی ضرورت پیش آئے تو ان کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح ڈٹ جاؤ لیکن کبر و غرور سے نہیں بلکہ یہ جان کر کہ ہم بدی کو روکنے کے لئے ارشاد خداوندی کی تعمیل کر رہے ہیں ۔ اس میں ہماری ذاتی خواہشوں اور بڑائی کی امنگوں کا کوئی دخل نہیں بلکہ اس کارروائی کا مقصد دنیا میں نیکی کو دوام بخشنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ میدانِ جنگ میں کبھی پیٹھ مت دکھاؤ جو ایسا کرے گا وہ سخت سزا کا حقدار ہو گا ۔ دنیا میں اسکی غیرت اور عزیمت کا جنازہ نکل جائے گا اور آخرت میں خدا کی نافرمانی کی سزا ملے گی اور پھر جب کبھی سچائی کے دفاع کے لئے لڑنے

کا موقعہ ملا تو مسلمان سیلِ بیابان کی طرح آگے بڑھے۔ طارق بن زیادہؓ نے اپنی فوج کی پسپائی کا راستہ کاٹ دیا کہ یہ مسلمان کی شان نہیں کہ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ جائے لیکن ان مقابلوں میں بھی اخلاقی اقدار اور اسلام کے بلند اصولوں کو مدنظر رکھا گیا جب کوئی فوج کسی مہم پر بھیجی گئی ان کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے گھروں کو آگ مت لگاؤ۔ فصلوں کو مت اُجاڑو جو لوگ لڑتے نہ ہوں ان پر تلوار مت چلاؤ۔ جو لوگ اپنے گھروں میں دروازے بند کر کے بیٹھیں۔ اُن پر حملے مت کرو عورتوں، بچوں اور ضعیف العمر لوگوں کو قتل مت کرو اور جب دشمن ہتھیار ڈال دے تو اس کو فوراً معاف کر دو جو لوگ تمہارے قیدی بن جائیں یا تم سے پناہ مانگیں، ان کو مایوس مت کرو، ان کو دکھ مت دو، ان کو بھلے بُرے سے آگاہ کرو اور نہایت عزت کے ساتھ اُن کو ایسی جگہ پر پہنچا دو جہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ یہ ہے ایک بہادر، باہمت اور جرأت مند قوم کا معیارِ اخلاق۔ جو ہمارا ورثہ ہے۔ مسلمان کبھی موت سے نہیں ڈرتا۔ وہ موت کے ساتھ کھیلتا ہے اور موت کے نزغے میں بھی ان فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرتا رہتا ہے جو اس پر عائد کی گئی ہیں ان اعلیٰ انسانی اور اخلاقی قدروں کو پیش نظر رکھتا ہے جن کو دوام بخشنے کے لئے اس کی زندگی کا ہر لمحہ مصروف رہتا ہے۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

۱۵

اتحاد و اتفاق، اخوت اور برادری طاقت ہے، برکت ہے، رحمت ہے۔ اتحاد و اتفاق سے ہی قومیں قعرِ مذلت سے نکل کر اوج ثریا تک پہنچ جاتی ہیں اور دنیا میں وہ مقام حاصل کر لیتی ہیں جس کو دیکھ کر آنے والی نسلیں رشک کرتی ہیں۔ جن قوموں میں اتفاق، اخوت اور ہم آہنگی نہیں ہوتی وہ خواہ تعداد میں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، طاقت میں شہرت یافتہ کیوں نہ ہوں۔ وہ ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جاتی ہیں بلکہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو جاتی ہیں۔ یہی حالت اسلام کے ظہور سے پہلے ریگزار عرب کے رہنے والوں کی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ ایک دوسرے کا بُرا چاہتے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ یہ بہادر، مہمان نواز اور غیرت مند قوم دنیا میں اتنی بدنام اور رسوا ہو چکی تھی کہ کوئی عزت سے ان کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اسلام کا ظہور ہوا۔ یہ لوگ بتدریج ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ بن گئے۔ جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم و معرفت کی روشنی میں پہنچے اور بہت کم عرصے میں وہ نام اور مقام حاصل کیا کہ دنیا ان لوگوں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔ جو لوگ کل تک رذیل اور کمینے سمجھے جاتے تھے وہ دنیا کے معلّمِ اخلاق اور رہنما بن گئے۔ کئی قومیں ان کو اپنے ملک پر حکومت کرنے کی دعوتیں دینے لگیں اور وہ تمام ایشیاء اور یورپ کے کئی حصّوں پر چھا گئے۔ یہ اتحاد و اتفاق، اخوت اور

مساوات کی برکت تھی جس سے عرب کے یہ بدو فیض یاب ہوئے اور دنیا میں اپنا نام پیدا کیا۔ اسی لئے خدائے تبارک وتعالےٰ اپنے پاک کلام میں اتحاد و اتفاق کو سب سے بڑی نعمت قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ اے ریگزار عرب کے رہنے والو! خدا کی اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے اسلام کی زندگی بخش تعلیم کے ذریعے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت اور الفت ڈال دی اور تم خدا کی اس نعمت کے ذریعے بھائی بھائی بن گئے۔ تم اپنی نا اتفاقی کی وجہ سے آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ اخوت، بھائی چارہ اور اتحاد نے تم کو اس گڑھے میں گرنے سے بچالیا اور تم کو دنیا میں عزت و توقیر مل گئی۔ یہ ہے خدائے تبارک وتعالےٰ کی وہ عظیم نعمت جو اس نے اسلام کے ذریعہ ہمیں عطا کی اور اس نعمت کے ذریعہ ہم نے دنیا میں نام پایا۔ عزت حاصل کی۔ قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھنے اور قدر کرنے کی تلقین کی ہے جب تک مسلمان خدا کے اس حکم پر کاربند رہے وہ ہر میدان میں، ہر معرکہ میں کامیاب رہے اور جوں جوں ہم نے خدا کی اس نعمت کو فراموش کیا۔ ہماری حالت پتلی ہوتی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی قوت اور عزت اتحاد و اتفاق میں مضمر ہے جوں ہی ہم اس دولت کو دوبارہ اپنائیں گے۔ ہماری شان رفتہ واپس آئے گی۔ اور مسلمان دنیا میں پھر وہی عزت وہی مقام اور وہی وقار و شان حاصل کریں گے جو ان کی میراث ہے اور جس کو دیکھ کر دوسری قومیں رشک کرتی رہی ہیں۔ یورپ کے علما اور محققین آج بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ سیکھا ہے، عرب کے ان بدوؤں سے سیکھا ہے جن کے دل نورِ اسلام سے منور تھے، اور جنہوں نے قرآنِ کریم کی تعلیم اور اسلامی اصولوں پر عمل کر کے دنیا میں نام حاصل کیا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ مسلمانو! آپس میں اتحاد و اتفاق رکھو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو تم اس بلند مقام سے پھسل جاؤ گے جو تمہیں اسلامی تعلیم پر عمل درآمد کرنے سے حاصل ہوا ہے اور تمہاری طاقت درہم برہم ہو جائے گی۔ پھر ارشاد ہوا کہ خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ کیونکہ یہی تمہارا بندھن ہے اور یہ کبھی ٹوٹنے والی نہیں۔ الغرض اتحاد و اتفاق خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔ ضروری ہے

کہ اس نعمت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ساری دنیا کے مسلمان اس عہد کی تجدید کریں کہ وہ
مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ شمال میں ہوں یا جنوب میں۔ خدا کی اس رسّی کو مضبوطی کے ساتھ
پکڑے رہیں گے جس نے ان کو دنیا میں ایک عظیم اور فعال قوّت بنا دیا تھا تاکہ آئندہ وہ پھر اسی
روپ میں انسانی معاشرے کی خدمت کر سکیں اور اس دنیا کو اولادِ آدم کے لئے جنّت بنا سکیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

۱۶

اسلامی معاشرے کی بنیاد اخوت اور مساوات پر رکھی گئی ہے یعنی ہر شخص کو اس کی ضرورت اور احتیاج کے مطابق ملنا چاہیئے لیکن اس کے باوجود ذاتی ملکیت اور ذاتی کمائی پر کوئی قدغن نہیں کیونکہ ہر شخص اپنی صلاحیت، قابلیت اور طاقت کے مطابق زیادہ سے زیادہ کمائی کر سکتا ہے۔ جائز ذرائع استعمال کر کے دولت حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ قرآن کریم میں زمین کی ملکیت پر ایک قانونی قید عائد ہے کہ ہم زمین کا وارث ان لوگوں کو بناتے ہیں جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اور زمین کی اصلاح کر سکتے ہیں جس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زمین کسان کی ہے اس لیئے کہ زمین کو کسان ہی آباد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق بڑی بڑی زمینداریاں چند پشتوں میں بالکل بٹ جاتی ہیں جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ زمین کے مالکانہ حقوق محدود ہونے چاہیئں۔ اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ ان لوگوں کے پاس ہونا چاہیئے جو اس کو آباد کر سکیں۔ اس کی دیکھ بھال کر سکیں ورنہ اکثر زمینیں بنجر اور غیر آباد پڑی رہیں گی۔ البتہ لوگوں کی دولت، ثروت اور کمائی پر کچھ اخلاقی اور روحانی پابندیاں لگائی گئی ہیں مثلاً ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے مال میں سائلوں اور ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو اس سے محروم ہیں جس کا اعلیٰ نمونہ مدینہ کے انصار نے پیش کیا۔ جب مسلمان، ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنا دیا۔ انصار نے اس موقعہ پہ

اپنی جائدادیں مہاجرین کے ساتھ بانٹ لیں۔ گو یہ کوئی حکم نہ تھا البتہ اس کو انسانی بند اخلاقی، جذبہ ہمدردی اور بھائی چارے کا ایک ناقابلِ فراموش نمونہ کہہ سکتے ہیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور جس کی فخر کے ساتھ ہمیں پیروی کرنی چاہیئے۔ یہ مسلمانوں کی ایمانی قوت کا نمونہ ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی تقسیم برصغیر کے وقت مسلمانوں نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ پیش کیا۔ انہوں نے بھارت سے آئے ہوئے اپنے لٹے پٹے مہاجر بھائیوں کو اپنے پاس رکھا۔ ان کی ضروریات پوری کیں اور اس وقت تک ان کی خبر گیری کرتے رہے جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے اور پاکستان اس ابتلا اور بحران سے نکل گیا۔ مسلمان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ حرص و آز کا غلام نہیں ہوتا۔ وہ کماتا ہے اور خدا کے راستہ میں خرچ کرتا ہے۔ خدا کے بندوں کی بھلائی پر صرف کرتا ہے اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے ؎

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند

بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

اس کا خدا پر بھروسہ ہوتا ہے اس خدا پر جس نے فرمایا ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ اور اس کو خدا کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ ایک عذاب تو یہی ہے کہ انسان عمر بھر جوڑتا رہے اور آخر کار خالی ہاتھ جانا پڑے۔ دوسرا عذاب آخرت کا ہے کہ وہاں یہ سونا اور چاندی تپا کر ان کی پیشانیوں پر لگایا جائے گا کہ لو یہ وہ دولت ہے جو تم جمع کرتے تھے اور جو تمہارے بالکل کام نہ آئی۔ اگر اس کو خدا کے بندوں کی بھلائی پر خرچ کرتے تو آج تمہیں کفِ افسوس نہ ملنا پڑتے۔ اسلام نے اس بلند انسانی کردار کو مستحکم بنانے کے لئے کوئی قانونی تعزیز استعمال نہیں کی نہ ڈنڈے سے انسانوں کو مساوات کا سبق دیا بلکہ اُس نے انسان کی انسانیت کو اُبھارا۔ اُس کو قانونِ فطرت سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کی، تاکہ بنی نوع انسان میں اخوت اور مساوات قائم ہو۔ کوئی تنگ دست اور محتاج نہ رہے۔ طبقاتی امتیازات کو مٹانے کے لئے حضرت بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلاموں، نوکروں اور مزدوروں

سے اتنا ہی کام لو جتنا ان کی طاقت ہو۔ مزدوروں کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دو جو لوگ تمہارے ماتحت ہیں تمہارے نوکر، چاکر اور غلام ہیں ان کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ اور صدقات کا نظام قائم کیا۔ زکوٰۃ اور صدقات کا مال باقاعدہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے تاکہ کسی کو یہ علم نہ ہو کہ میں خیرات لے رہا ہوں اور کوئی یہ بکی محسوس نہ کرے کہ میں خیرات کھا رہا ہوں۔ اس لئے اسلام میں بھیک مانگنا جائز نہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے گھر میں کھانے کے لئے چند کھجوریں پانی کا ایک گلاس یا دودھ کا ایک پیالہ موجود ہے اس کے لئے مانگنا اور سوال کرنا جائز نہیں۔ اسلام جس طرح اعلیٰ روحانی قدروں کی آبیاری کرتا ہے۔ اسی طرح نظامِ معاشرہ کو بھی ایسا صاف ستھرا رکھتا ہے کہ انسان کی خودداری مجروح نہ ہو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے گداگری کو عروج دیا ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ وہ اسلام اور اسلام کے نظامِ معاشرہ سے ناواقف ہیں۔ اسلام ہر رنگ میں انسان کی خودداری کی آبیاری کرتا ہے اور اُسے بحال رکھتا ہے یہاں تک کہ اسلام غیر اللہ کے آگے جھکنے کو انسانیت پر ظلم عظیم قرار دیتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

۱۷

فہم و ادراک اور علم و دانش انسانیت کا گراں بہا زیور ہے اس کو جس قدر وسعت دی جائے اسی قدر انسانی وقار، قومی سربلندی اور ملکی بہبود میں اضافہ ہوتا ہے۔ تہذیب و تمدن کی صحیح حدود متعین ہو جاتی ہیں اور معاشرہ از خود راہ راست پر آتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم ہر معاملہ میں بار بار انسان کو توجہ دلاتا ہے کہ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے۔ کیا تم اس معاملہ کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھتے۔ کیا تم فہم و ادراک سے کام نہیں لیتے اور ساتھ ہی اس مایوس کن صورتِ حال سے بھی یہ کہہ کر رد کا گیا ہے کہ جب بنی نوع انسان کو خالقِ کائنات کی آیات سُنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے بن کر اُن پر نہیں گرتے بلکہ ان کو عقل و شعور کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں مشرکوں اور بت پرستوں کی طرح شجر و حجر کے سامنے نہیں جھکتے اور نہ اُن کو اپنا کارساز قرار دیتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام ایک ایسا طریق زندگی ہے جو کورانہ تقلید سے کروڑوں میل دُور ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں میں فہم و ادراک اور علم و دانش کی فراوانی دیکھنا چاہتا ہے اور اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ خالق کائنات اور اس کے زندگی بخش احکام کو وہی لوگ زیادہ بہتر سمجھتے ہیں جو علم و دانش کی دولت سے مالا مال ہیں۔

اسلام نے ریگ زار عرب میں جنم لیا جہاں لاعلمی اور جہالت کا گھپ اندھیرا تھا سارے عرب میں انگلیوں پر گنے جانے والے چند افراد خواندہ تھے، باقی سب توہم پرستی کے دلدل میں پھنسے

ہوئے تھے۔ اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی علم کا شعور عام ہونے لگا اور مسلمانوں نے حصولِ علم کی طرف توجہ دی۔ خدا کا حکم ہوا کہ سارے لوگ گھر بار تو چھوڑ نہیں سکتے۔ تاہم ہر طبقے میں سے ایک جماعت کو حصولِ علم کے لئے گھروں سے باہر جانا چاہیئے اور یہ دولت حاصل کر کے اپنے علاقوں میں عام کرنی چاہیئے جنگ بدر کے موقعہ پر جو قریش سردار گرفتار کیئے گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ اُس زمانے کے رواج کے مطابق جنگی قیدیوں کو غلام بنا کر ان کی محنت کا استحصال کیا جاتا تھا یا اُن کو زرِ کثیر لے کر رہا کیا جاتا تھا۔ یا پھر ان کو فروخت کر کے دولت کمائی جاتی تھی۔ لیکن ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسانیت سوز طریق کار کو ناپسند فرمایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اکثر جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا اور جو ان میں سے تعلیم یافتہ تھے۔ ان کی رہائی اس بات سے مشروط کی گئی کہ وہ ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھائیں اور رہائی کا پروانہ حاصل کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک مال دنیا کی کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ وہ علم کے دل دادہ تھے۔ اور اس کو تمام مفادات پر مقدم سمجھتے تھے۔ جنگ بدر کے موقعہ پر وہ غریب بھی تھے، محتاج بھی تھے اور مہاجر بھی، اس کے باوجود انہوں نے انسانوں کی محنت کا استحصال پسند نہ کیا اور انسان فروشی کے ذریعے دولت حاصل کرنے کا قصد نہ کیا یہ ان کی عالی ہمتی، انسانیت دوستی اور اخلاقی بلندی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ حضرت شارع برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے، علم حاصل کرنے کے لئے اگر چین ایسے دور دراز ملکوں کا بھی سفر کرنا پڑے تو اُسے بخوشی اختیار کرنا چاہیئے اس لئے کہ علم جہاں معاشری برائیوں کو ختم کرنے میں مدد دیتا ہے وہاں انسان کو کارخانۂ قدرت کے رموز و حقائق سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کی ہر مسجد ایک مدرسہ، ایک دارالعلوم اور ایک دانش گاہ تھی جہاں ہر وقت ہزاروں بلکہ لاکھوں تشنگانِ علم موجود رہتے تھے اور اپنی جھولیاں اس دولت سے بھر لیتے تھے جس پر آج بھی مغربی ملکوں کے دانش ور ناز کرتے ہیں۔ امتدادِ زمانہ کی وجہ سے ہم اس نعمت سے بھی دُور جا پڑے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ علم و حکمت اور دانش و ادراک کا دروازہ پھر کھولا جائے تاکہ

ہم از سرِ نو اس دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ حکومتیں اس سلسلہ میں جو کچھ کرتی ہیں وہ اُن کا فرض ہے اور وہ ان کی استعداد تک ہی محدود رہ سکتا ہے۔ لوگوں میں تعلیم کو عام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اعلیٰ پایہ کی درس گاہیں، علمی مراکز، دانش گاہیں اور مطالعاتی ادارے قائم کئے جائیں جو علم کی موجودہ کمی کو ختم کر دیں اور قوم سرِ نو فلاح و بہبود کی شاہراہ پر گامزن ہو تاکہ اس طرح ہم پھر ایک دفعہ عالمی برادری میں فخر کے ساتھ سر اُونچا کر کے چلیں اور دنیا پر ثابت کر دیں کہ مسلمانوں کی سربلندی کی بنیاد تلوار اور دولت پر نہیں بلکہ علم و معرفت ہے۔

رَضِینَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَّ لِلْجُھَّالِ مَالٌ

ترجمہ

ہم خدا کی اس تقسیم پر خوش ہیں کہ
اس نے ہم کو علم کی دولت دی اور جاہلوں
کو مال دیا

۱۸

بعض اوقات وقتی، عارضی اور اتفاقی کامیابیوں اور ناکامیوں کو حد سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ کم ظرف اور کوتاہ بیں لوگ معمولی سی کامیابی حاصل کر کے ناچنے لگتے ہیں لیکن جب وہ کسی طرح ناکام ہو جاتے ہیں تو ان کا کبر و غرور منٹوں میں ہرن ہو جاتا ہے اور ان میں دوبارہ اُٹھنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ زندہ اور بلند ہمت قوموں کا طرزِ عمل اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مقصد اور نصب العین کے ساتھ لگن ہوتی ہے اگر دُکھ اٹھا کر ان کے نصب العین کو مدد ملتی ہے وہ اس میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں اور اگر کامیابی کے ذریعہ ان کے نصب العین کو فائدہ پہنچتا ہے وہ اِس میں بھی ایسی ہی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ گویا ان کی نظر واقعات و حادثات کے انجام پر ہوتی ہے خود واقعات و حادثات پر نہیں۔ اس لئے کہ دنیا میں اس قسم کے بیسیوں واقعات رونما ہوتے ہیں جن کا انجام بالکل اُلٹ ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالےٰ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اگر معرکہ جنگ میں تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور تم خدا سے وہ کچھ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، تم کو جو وعدے دیئے گئے ہیں وہ اُن سے محروم ہیں۔ ان کی ظاہری کامیابی اور ناکامی کا دائرہ عمل ظاہر تک ہی محدود ہوتا ہے اور تمہاری نظر میں انجام پر ہوتی ہیں جہاں بسا اوقات ظاہری اور وقتی ناکامیاں دائمی کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ صلح حدیبیہ کے واقعہ کو ہی دیکھئے، قریش مکہ اور مسلمانوں کے

مابین اس عہد نامہ میں اکثر شرائط ایسی تھیں جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف جاتی تھیں جس کے خلاف بعض مسلمانوں نے احتجاج بھی کیا۔ لیکن خدا نے اسی عہد نامہ کو فتح مبین قرار دیا چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلمان اسی عہد نامہ کی بدولت قریشِ مکّہ پر غالب آئے اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر بیت اللہ کی تولیت حاصل کر لی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسی عہد نامہ کے ذریعہ وہ حالات پیدا ہوئے کہ تمام عرب میں اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوا۔ الغرض جو قومیں خدا پر یقین نہیں رکھتیں ان کی نظریں ظاہر تک محدود ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس زندہ قومیں واقعات، وحادثات کے انجام پر نظر رکھتی ہیں۔ وہ وقتی اور ظاہری خوشیوں پر اتراتے نہیں اور نہ وقتی اور اتفاقی ناکامیوں کو دیکھ کر ہمت ہارتے ہیں مسلمانوں کو قرآن کریم نے یہ کہہ کر اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو لیکن اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی بات کو تم پسند کرو لیکن وہ انجام اور نتیجہ کے لحاظ سے بُری ہو۔ زندہ اور عالی ہمّت قومیں خوشیوں میں آپے سے باہر نہیں ہوتیں اور نہ رنج والم میں ہمت ہار کر بیٹھ جاتی ہیں۔ ان کا کام مسلسل جدوجہد ہوتا ہے۔ وہ حادثات کو سنگِ راہ نہیں بلکہ اپنی اولوالعزمی کا امتحان سمجھتی ہیں اور ان امتحانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے زیادہ عزم، زیادہ ہمت اور زیادہ جرأت سے آگے بڑھتی ہیں۔ جس کی مثالوں سے مسلمانوں کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو بظاہر سخت نقصان اُٹھانا پڑا لیکن ان کے عزم میں کمی اور کمزوری نہیں آئی وہ اپنے نصب العین کی تکمیل کے لئے آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ جنگ جسر میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا لیکن انہوں نے دوسرے ہی سال اس نقصان کی تلافی کر لی۔ الغرض مسلمان کا کردار قرآن پاک نے یہ مقرّر کیا ہے کہ مشکلات سے ڈرو مت اور نہ وقتی ناکامیوں سے مایوس ہو جاؤ، سربلندی تمہارا مقدر ہے بشرطیکہ تم اپنی مومنانہ جرأت، بلند ہمتی، عزم راسخ اور قوتِ عمل کو برقرار رکھو۔ مسلمانوں کو بار بار اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ علم وعمل کو اپنا شعار بنائیں اور نتائج قدرت پر چھوڑ دیں۔ اسی لئے جب دشمنوں کے جاسوس اور پروپیگنڈا باز

افواہیں پھیلاتے اور مسلمانوں کو کہتے تھے کہ تمام قبائل تم پر مل کر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا اس صورتِ حال سے ڈرو اور دشمنوں کے ساتھ مصالحت کرو، تو یہ پراپیگنڈا مسلمانوں کو متاثر کرنے کے بجائے ان کے عزم و ہمت کو اور بلند کرتا تھا، اور وہ خدا کا نام بلند کرنے، قومی وقار کو بچانے اور اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اور زیادہ جری ہو جاتے تھے۔ اُن کی جرأت و بسالت کو دیکھ کر پراپیگنڈا باز دشمنوں کی جھاگ بیٹھ جاتی تھی اور وہ اپنے ساتھیوں کو جا کر کہتے تھے کہ اس قوم کے ساتھ مقابلہ کرنا موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہے۔ خدا کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان ظاہری تیاری سے بھی غافل نہیں رہتے۔ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ تمہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اُن کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت کے مطابق ہر قسم کی تیاری رکھو تاکہ حق و صداقت کے ان دشمنوں کو تم پر یلغار کرنے کی جرأت ہی نہ ہو اور اگر وہ اس قسم کی حماقت کر بیٹھیں تو اس کا خمیازہ بھی بھگت لیں۔ مختصر یہ کہ مسلمان بزدل، ڈرپوک، کم ہمت اور مشکلات کے مقابل پر ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہوتا۔ مسلمان عزم و ہمت کا پیکر، جرأت و بسالت کا امین، ایمان و ایقان کا پرستار اور فکر و عمل کا خوگر ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں مایوس نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت اس یقین کے ساتھ آگے بڑھتا ہے کہ اس کا مستقبل شاندار ہے، دنیا کی امامت اس کا مقدر ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ لگاتار صحیح خطوط پر جدوجہد کرتا رہتا ہے خواہ اس کی راہوں میں کتنی ہی مشکلات حائل کیوں نہ ہوں۔

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کے قدموں میں رائی

۱۹

جن لوگوں کو آسمانی نور سے نوازا جاتا ہے وہ دنیا کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتے ہیں اسی لئے اُمتِ مسلمہ کے متعلق فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! تم کو دنیا کے بھلے کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس میں اس دنیا یا کائناتِ عالم کے لئے بُرائی کا شائبہ بھی ہو۔ تمہاری ہر حرکت اور ہر سکون خیرِ عام کے لئے وقف ہو۔ یہاں تک کہ تمہارا کوئی عضو ایسا کام نہ کرے جو اس کے فرائض کے منافی ہو، خالقِ کائنات نے تم کو آنکھیں دی ہیں، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، دل و دماغ دیا ہے، قوت و استطاعت دی ہے اور پھر فہم و ادراک عطا کیا ہے اس لئے تم اِن تمام قوتوں کو مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے استعمال کرو۔ تم خدا کی مخلوق پر اسی طرح احسان کرو جس طرح خالقِ کائنات نے تم پر احسان کیا ہے، اسلئے کہ وہ محسنِ خدا احسان کرنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ ایک شخص کو محض اس لئے خدا کی رحمتوں نے نوازا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔ کیا شانِ کریمی ہے کہ ایک جانور کو پانی پلانے پر تمام خطائیں معاف کی جاتی ہیں پھر اس کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل بھی دیکھئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) طائف میں خدا کا پیغام پہنچانے جاتے ہیں۔ لوگوں کو یہ بتانے جاتے ہیں کہ تم خدا کی بہترین مخلوق ہو، تم کو اس دنیا اور آخرت کو سنوارنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا شرک اور بُت پرستی سے باز آجاؤ اپنے اندر اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرو۔ انسانیت ناشناس لوگوں کو یہ دعوتِ خیر پسند نہ آئی۔ انہوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے اوباش لگائے جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آوازے

کتے رہے، پتھر مارتے رہے، مذبوحی حرکات کرتے رہے یہاں تک کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) لہولہان ہو گئے۔ بستی سے باہر ایک جگہ ستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ آپ (صلعم) سے عرض کیا گیا کہ آپ خدا کے رسول اور پیغامبر ہیں ان لوگوں کے خلاف دعا رد کیجئے۔ رحمت عالم کا جواب کس قدر رحیمانہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں خدا کی مخلوق کے خلاف بد دعائیں کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ اے خدا! ان لوگوں کو معاف کر دے یہ نہ تو میرے مقام اور مرتبہ کو جانتے ہیں اور نہ ابھی میرے پیغام کی حقیقت کو سمجھتے ہیں جو ان کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے یہ اعلیٰ انسانی اقدار سے آراستہ ہو جائیں۔ اور دنیا میں اس معاشرے کی بنیادیں مضبوط کریں جو حسن و احسان کا مظہر ہے جو امن و سلامتی کا ضامن ہے جو اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اقدار کا نقیب ہے جو مخلوقِ خدا کے لئے خالق کائنات کا آخری پیغام ہے تاکہ انسانیت اُن تمام ذلالتوں اور غلاظتوں سے پاک ہو جائے جن کو حرص و آز، جبر و استبداد اور حقیقت ناشناسی کی وجہ سے اشرف المخلوقات پر مسلط کیا گیا ہے اور جن کی بنیادیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ ان کو اکھاڑنے کے لئے عزم و استقلال اور صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی صدق و استقامت، انسانی ہمدردی، جذبۂ حسن و احسان کا نتیجہ تھا کہ ریگ زارِ عرب کے یہ وحشی انسانیت کی حقیقت کو پا گئے۔ انہوں نے اپنے اندر وہ صفات پیدا کیں جو معاشرے کو سنوارنے کے لئے ضروری تھیں۔ انہوں نے اپنے لئے ایک بلند معیار قائم کیا اور اسی معیار کی دنیا میں تبلیغ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہی لوگ جن کا نام لینا کل تک گالی سمجھا جاتا تھا دنیا کے معلّمِ اخلاق بن گئے اور دنیا میں ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جس سے آج بھی دنیا رہنمائی حاصل کرتی ہے خواہ وہ لوگ زبان سے اس کا اقرار نہ بھی کریں۔

ستّاری و غفّاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

۲۰

حق و صداقت ایک فطری عمل ہے جو رکاوٹوں کے باوجود کامیاب رہتا ہے اس فطری عمل کی مخالفت میں وہ لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جنہوں نے ذاتی مفادات کیلئے معاشرہ میں ایسی اجارہ داریاں قائم کی ہوتی ہیں جو حق و صداقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں جب یہ لوگ سونگھ لیتے ہیں کہ کسی طرف سے حق و صداقت کا ریلا آ رہا ہے تو یہ بیقرار ہو جاتے ہیں اور اس کو روکنے کے لئے ہر قسم کے مکروہ حربے استعمال کرتے ہیں ابتدائی دور میں اسلام، حضرت بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی ان ہی واقعات سے دوچار ہونا پڑا۔ رؤسائے عرب نے مختلف بنیادوں پر ناجائز مفاد اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے اجارہ داریاں قائم کی تھیں کہیں خانۂ کعبہ کی تولیت کو آڑ بنایا گیا تھا۔ کہیں بڑے بڑے بتوں کے استھان گڑھ لئے گئے تھے کہیں قبائلی تفاخر کے محلات تعمیر کئے گئے تھے اور ان اجارہ داریوں کو سہارا دینے کے لئے ایسے غیر فطری افسانے تیار کئے گئے تھے جو حقیقت کے ساتھ ٹکرا کر چور چور ہو جاتے ہیں جب ان لوگوں نے محسوس کیا کہ اسلام دنیا میں ایسے حقائق پیش کر رہا ہے جو آسانی کے ساتھ ہر شخص کے فہم و فراست سے اپیل کرتے ہیں اور لوگ ہمارے افسانوں کو بے حقیقت جان کر اس ازلی اور ابدی حقیقت کی طرف جاتے ہیں۔ اگر یہ صورتِ حال کچھ عرصہ جاری رہی تو ہماری اجارہ داریاں ختم ہو جائیں گی اور ہمارے اقتدار کے محلات زمین بوس ہو کر رہ جائیں گے لہٰذا اس رسوائی اور ناکامی سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ حق و صداقت کی مخالفت کی جائے اور مسلمانوں کو

صفحہ ہستی سے مٹایا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے تمام حربے استعمال کئے گئے۔ تحریص و تخویف، جھوٹا پراپگنڈا، ذہنی و جسمانی اذیتیں اور میدانِ جنگ، حق و صداقت کے پرستار کبھی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ نہیں بدلتے۔ ان کے ایمان و الیقان کی بنیادیں اتنی ٹھوس ہوتی ہیں جن کو کوئی حربہ متزلزل نہیں کر سکتا۔ وہ صبر و استقلال اور عزم و ہمت کے ساتھ ہر طوفان کا مقابلہ کرتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کر دکھایا۔ یہاں تک کہ وہ نامساعد حالات میں بھی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے رہے اور اس شان کے ساتھ کامیابی حاصل کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر خود وہ لوگ نادم اور شرمندہ ہو گئے جن کا خیال تھا کہ ہم ان غریب اور نہتے مسلمانوں کو چند دن میں ختم کر کے رکھ دیں گے اور اس طرح ہمارا جھوٹا وقار اور اجارہ داریاں قائم رہیں گی ہم مخلوقِ خدا کا استحصال کرتے رہیں گے۔ یہ معرکہ سر کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس دولت تھی نہ جماعت، تیر و تفنگ تھے نہ ماہرینِ جنگ، اُن کے پاس ایک ہی آسمانی ہتھیار تھا۔ اپنے مقاصد کی سادگی اور صداقت، اور خدا کا یہ حکم کہ لوگوں کو دلیل و منطق کے ذریعہ سمجھا کر آستانۂ الوہیت پر پہنچا دو۔ یہ نسخہ اتنا کارگر ثابت ہوا کہ آخر کار دشمنان اسلام کو ہتھیار ڈالے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ جن دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے اُن پر کئی مہیب جنگیں ٹھونس دی تھیں جب وہ بے بس ہو گئے اور اپنی کرتوتوں کے خمیازہ سے کانپنے لگے تو مسلمانوں کی طرف سے اعلانِ عام ہوا کہ اب چونکہ ہمارا ہاتھ اونچا ہے۔ لہٰذا ہمارے اخلاق اور ہماری تعلیم کا یہ تقاضا ہے کہ ہم تم کو معاف کر دیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں لیتے، تم آزاد ہو اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ہدایت ہوئی کہ خبردار جوش میں آ کر ان لوگوں پر ہاتھ نہ اٹھانا جنہوں نے تم پر خانۂ خدا کے دروازے بند کئے تھے، تم کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں۔ تم کو وطن سے بے وطن کرایا تھا۔ ایک طرف حبشہ تک تمہارا پیچھا کیا اور دوسری طرف مدینہ منورہ تک۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمان بدی اور بدی کی قوتوں کو پنپنے کی کھلی چھٹی دیتے ہیں مسلمان جہاں انتہا درجہ کا حلیم اور بردبار ہوتا ہے وہاں وہ غیرت کا پتلا بھی ہوتا ہے وہ حق و صداقت

پر آنچ آتے دیکھتا ہے۔ تو اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور باطل کی قوتوں کو مٹا کر دم لیتا ہے کیونکہ اس کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ جب باطل کی قوتیں مخلوق خدا کے امن وچین کو درہم برہم کرنا چاہیں تو ان کے مقابلے پر آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور اس وقت تک میدانِ معرکہ میں کھڑے رہو جب تک شر و فساد کے تمام اسباب ختم نہ ہو جائیں اور دشمن امن و سلامتی کا راستہ اختیار نہ کریں یہ عزم، یہ ہمت، یہ غیرت مسلمان کے خون میں ہے رو سا رکمہ ایک جھوٹا پراپیگنڈا کر کے مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑے مسلمانوں کی تعداد اور تیاری نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود ان کی غیرت نے یہ برداشت نہ کیا کہ باطل قوتیں اپنے ناپاک قدم مدینۃ الرسول صلعم میں رکھیں انہوں نے کئی منزل دور جا کر دشمن کو روکا اور اپنی بے بضاعتی کے باوجود غنیم کو شکستِ فاش دی۔ دو کمسن بچے فوجی خدمات کے قابل نہ تھے وہ چٹانوں پر اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے کہ وہ بڑے دکھائی دیں۔ انہوں نے معرکہ کارزار میں دشمن کے سپہ سالار ابوجہل کو موت کے گھاٹ اُتار کر اپنی عزیمت اور اسلامی غیرت کا ثبوت دیا اس بات کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ مسلمان حق و صداقت کا شیدائی ہوتا ہے وہ حلم و انکسار کا پتلا ہوتا ہے وہ بنی نوع انسان کا ہمدرد اور غم خوار ہوتا ہے لیکن جہاں وہ انسانیت، اپنی آزادی، اپنے بلند اصولوں پر آنچ آتے دیکھتا ہے وہ اِن چیزوں کی حفاظت کے لئے اپنی جان پیش کرتا ہے اور اس کو قومی غیرت کا ایک ادنےٰ کرشمہ سمجھتا ہے:

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

(۲۱)

تہذیب وشائستگی، انسانیت اور انسانی معاشرہ کا قیمتی زیور ہے اگر یہ کہا جائے کہ تہذیب وشائستگی انسان اور دوسرے حیوانات کے درمیان حدِ فاصل ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ تہذیب و شائستگی میں وہ تمام اعلیٰ صفات شامل ہیں جو انسان کو دوسرے حیوانات سے ممیز کرتی ہیں حسنِ اخلاق، خوش کلامی ہمدردی، رحم، جذبۂ خیر سگالی، دوسروں کے جذبات کا لحاظ رکھنا، کسی کو ہاتھ یا زبان سے دُکھ نہ دینا۔ اپنے سے پہلے دوسروں کی ضرورت کا خیال رکھنا یہ تمام چیزیں تہذیب وشائستگی کے اجزا ہیں جن کے متعلق اسلام میں تفصیلی احکام موجود ہیں۔ تاہم یہ ایک طویل فہرست ہے جس کا حق مختصر سی صحبت میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس صحبت میں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ زبان کی شائستگی سے کسی بھی انسان کی دلی کیفیت اور انسانیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جلد بازی انسان کی فطرت میں ہے وہ جب کسی بات پر خوش ہو جاتا ہے تو دوسرے کی تعریف و توصیف میں کوئی کمی نہیں رکھتا اور جب کوئی بات اس کی منشا کے خلاف ہو جائے تو وہ بھڑک اُٹھتا ہے اور اس کی زبان سے ایسی ایسی باتوں کا اظہار ہوتا ہے جس سے اس کے دل کا سارا نقشہ سامنے آتا ہے لیکن مہذب اور شائستہ لوگ نہ تو خوشی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور نہ غصے میں تہذیب وشائستگی کو بھول جاتے ہیں وہ انسانیت کے اس زیور کو ہر حال میں حرزِ جان بنائے رکھتے ہیں دوسرا چاہے کتنا ہی غصہ کرے وہ آپے سے باہر نہیں ہو جاتے اور نہ انسانیت کے اصولوں کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

طائف کے لوگوں کو خدا کا آخری پیغام پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ شریر اور فتنہ پرور لوگوں نے اوباش ان کے پیچھے ڈال دیئے جو قدم قدم پر اس مقدس ہستی کا مذاق اڑاتے رہے۔ پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ آپ کا جسمِ اطہر لہولہان ہوگیا۔ آپ بستی سے باہر ایک جگہ ستانے اور زخم دھونے کے لئے بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ ان لوگوں کے خلاف بددعا کیجئے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ میرے خدا، میری قوم کو معاف کردے یہ لوگ ناسمجھ ہیں ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، نفرت اور بددعائیں کرنے والا بنا کر نہیں۔ اس سے آپ طائف کے لوگوں کی تہذیب وشائستگی اور حضرت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اخلاقی کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں ہماری تہذیب وشائستگی کا سرچشمہ قرآنِ پاک ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اُڑائے اور نہ عورتیں ایک دوسرے کا مذاق اڑایا کریں۔ ہوسکتا ہے کہ جس قوم کا مذاق اڑایا جارہا ہو یا جن عورتوں کا مذاق اُڑایا جارہا ہو وہی دوسروں سے بہتر ہوں۔ دوسری جگہ فرمایا۔ خبردار ایک دوسرے کے ایسے نام نہ دھر لیا کرو جن سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہو۔ یا تمہارا مقصد اُن کی تذلیل کرنا ہو۔ یہ باتیں بظاہر معمولی دکھائی دیتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ انسانی شرافت وشائستگی کے بنیادی اصول ہیں اگر ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی تہذیب اور شائستگی کو ہاتھ سے جانے نہ دیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم بڑی باتوں میں بدتہذیبی اور ناشائستگی کا مظاہرہ کریں۔ غور سے دیکھا جائے تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو مدِنظر رکھنے کی تعلیم دے کر اسلام بڑی بڑی باتوں میں اپنے اُوپر قابو رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اس تہذیب اور شائستگی سے معاشرہ پر نہایت خوش گوار اور گہرا اثر پڑتا ہے ہر شخص سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جب اسلام چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی حدِ اعتدال سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتا تو ہم بڑی باتوں میں کیسے بے راہ روی اختیار کریں۔ الغرض خوش کلامی اور دوسرے کے مرتبہ کا لحاظ اور احترام ایسی چیزیں جن سے امن وسلامتی کی راہ ہموار ہوجاتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ دوسری قوموں کے بزرگوں کی عزت کیا کرو اور قرآنِ کریم میں واضح طور پر کہا گیا

ہے کہ تم دوسروں کے بتوں کو بھی بُرا نہ کہو۔ مبادا وہ لوگ جہالت کی وجہ سے خدا کو بُرا کہنا شروع نہ کر دیں کیونکہ جو دوسروں کے جذبات کا احترام نہیں کرتا۔ دوسرے بھی اس کے جذبات کے ساتھ کھیلنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم میں مسلمان کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ غصّے کو پینے والے اور دوسروں کی غلطیاں معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی ایک علامت یہی بتائی ہے کہ جب وہ آپے سے باہر ہو جاتا ہے تو بدزبانی سے کام لیتا ہے! الغرض ہماری زبان شستہ اور تہذیب یافتہ ہونی چاہیئے۔ تاکہ دنیا ہمارے معیارِ اخلاق پر شک و شبہ نہ کرے اور ہر شخص ہماری زبان سے ہی اندازہ لگائے کہ یہ اُس قوم کے افراد ہیں جس کو قدرت نے تہذیب و شائستگی کے زیور سے نوازا ہے۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

انسانی سماج میں عام طور پر یہ جذبہ پایا جاتا ہے کہ اچھی باتیں اور اچھی چیزیں ان کے لئے مخصوص ہوں اس سلسلہ میں بعض اوقات غلو کی حد تک کام لیا جاتا ہے اور حصولِ مقصد کے لئے بھی بعض اوقات بے راہروی کی جاتی ہے۔ اسلام نے اس جذبہ کو دبانے کی تعلیم دی ہے اور واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے یہی اخلاق کا بلند معیار ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے ساتھ ہر معاملہ میں مساوی سلوک کرے اور اس کے لئے بھی اسی طرح بہتری چاہے جس طرح اپنے لئے بہتری چاہتا ہے۔ اسلامی دعاؤں میں اکثر اس چیز کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ جب دُعا کی جائے تو ہر ایک کے لئے دُعا کی جائے۔ آدابِ مجلس میں بھی اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کسی کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچا کر اس کی جگہ دوسرے کو نہ بٹھایا جائے۔ مساجد میں جو شخص پہلے آتا ہے اُس کا مقام پہلے ہوتا ہے۔ کبر و غرور کی وجہ سے لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش کو غیر مستحسن قرار دیا گیا۔ یہ سب باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام میں دوسروں کے جذبات اور عزتِ نفس کا لحاظ رکھنا کتنا ضروری ہے اور اس بات کا کس درجہ خیال رکھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ جب کسی کو کوئی چیز دینی ہو وہ خراب اور ناقص نہ ہو جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے یا یہ کہ اگر وہی چیز تم کو دی جائے تو تم اس کو لینا پسند نہ کرو۔

ہاں اگر چشم پوشی کر کے رکھ بھی لو، تو بھی تمہارے دل میں کراہت اور نفرت رہے اور تمہیں بار بار یہ خیال آئے کہ مجھے ناقص چیز دی گئی۔ اسی طرح غریبوں کے مال کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم کسی یتیم کے کفیل ہو، اس کا مال تمہارے پاس ہو، اس میں خیانت نہ کرو، اس کو ناقص مال سے تبدیل نہ کرو اور نہ اس خیال سے اس میں دست اندازی کرو کہ یتیم بڑا ہو کر اپنے پورے حق کا مطالبہ کرے گا۔ صدقہ، خیرات، نذرانہ یا امداد کے بارے میں کہا گیا کہ جب تم کسی کی امداد کرو یا کچھ دو تو بعد میں احسان جتا کر اس کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچاؤ۔ پھر فرمایا، خدا کے راستے میں خرچ کرنا ہو تو صاف ستھرا اور عمدہ مال دو تاکہ لینے والے کی خودداری کو دھچکا نہ لگے اور وہ یہ محسوس نہ کرے کہ میرے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کیا گیا ہے۔ ملازموں، نوکروں چاکروں کے متعلق حکم دیا گیا کہ اُن کو وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اِن سب احکام سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام معاشرہ میں معمولی سی بُرائی دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔ اسلام معاشرہ میں اعلیٰ اخلاقی اور انسانی قدروں کو فروغ دینے کا داعی ہے جب تک ان قدروں کا زندگی کے ہر شعبہ میں خیال نہ رکھا جائے۔ شرفِ انسانیت قائم نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اخلاقی معیار مقرر کئے ہیں اور حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اقدار پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ ایک دفعہ حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کچھ روسارِ عرب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورؐ ان کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ اتنے میں ایک نابینا ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ اس کو کچھ دیر انتظار کرنے کے لئے کہا گیا، تاکہ وہ رؤسائے عرب اپنی ملاقات مکمل کر کے چلے جائیں۔ اس نابینا نے اس بات کو ناپسند کیا اور دل میں سوچا کہ یہ لوگ چونکہ رئیس اور امیر ہیں اور میں غریب اور معذور ہوں، اس لئے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری باریابی کو مناسب نہ سمجھا۔ جس پر قرآنِ پاک نے محبوبِ خدا کو تنبیہ کر دی کہ دنیاوی جاہ و حشم کی وجہ سے غریبوں کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہیں پہنچنی

چاہیئے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معلم اخلاقِ کل تھے اس لئے حضور (صلعم) کے متعلق یہ وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ ان کے قلبِ اطہر میں کبھی یہ خیال بھی آیا ہو کہ بڑے لوگوں کی زیادہ عزت کریں اور غریبوں کو کمتر جانیں۔ یہ تنبیہ درحقیقت اُمت محمدیہ کے لئے ہے کہ ان کو کسی کی امارت کا خیال کرکے اس کے ساتھ غریبوں سے زیادہ حسنِ اخلاق سے پیش نہیں آنا چاہیئے بلکہ بلند اخلاقی اور حسنِ سلوک کا معیار ہر ایک کے لئے برابر اور یکساں ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس طرح معاشرہ کا کوئی طبقہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل اور ممتاز خیال نہ کرے اور نہ کسی طبقہ میں احساس کمتری پیدا ہو جائے۔

میا را بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و باموجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۲۳

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب انسان کسی خاص ماحول میں پڑ جاتا ہے یا کسی خاص تربیت کے زیرِ اثر آتا ہے۔ اس ماحول اور اس تربیت کا گہرا اثر اس کے دل و دماغ اور احساسات و جذبات پر پڑتا ہے۔ اور وہ اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ یہی حال ان افراد اور قوموں کا ہوتا ہے جو ناجائز منافع خوری اور سودی لین دین کے کاروبار میں پڑ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دل و دماغ سے جذبہ ہمدردی۔ رحم اور معاشرتی تعاون کا احساس چھین جاتا ہے اور ان کی حالت ان دیوانوں کی سی ہو جاتی ہے جو ہر ایک کو کاٹنے اور مارنے کے لئے دوڑتے ہیں اسی فطری اصول کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ سود خوری کے عادی ہو جاتے ہیں اُن کی ذہنی کیفیت دیوانوں کی سی ہو جاتی ہے ان کے خیالات و احساسات اسی طرف لگے رہتے ہیں کہ دوسرے سے کس طرح نفع کمایا جائے۔ اپنی دولت کو تجارت میں لگانا، کارخانے قائم کرنا، جائز رنگ میں نفع کمانا اسلام میں ناجائز نہیں، لیکن اس کے لئے کچھ اصول اور حدیں مقرر ہیں۔ ان اصولوں اور حدوں سے انحراف انسان کو شقی القلب اور سنگ دل بنا دیتا ہے جو انسانی معاشرہ کے وسیع تر مفادات کے خلاف ہے۔ انسان کو زندگی میں خوراک، لباس اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اس سے زیادہ جو ہو گا وہ درحقیقت انسان کے کسی کام نہیں آتا۔ اگر ایک آدمی ایک روٹی کھا سکتا ہے۔ دوسری روٹی اس کے لئے بے کار ہے وہ یا تو پڑی پڑی سڑ جائے

گی۔ یا اسی راہ سے ضائع ہو گی جس راہ سے حاصل کی گئی ہے۔ یہی حال ذخیرہ شدہ دولت، وسیع تعمیرات اور بے اندازہ دولت کا ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اس کو خدا کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس طریق کار پر نادم ہونا پڑے گا۔ یہ دولت جہنم کی آگ پر گرم کی جائے گی، اور اس سے ان کے چہرے یہ کہہ کر داغ دیئے جائیں گے کہ یہ ہے وہ مال جو تم دوسروں کی کھال کھینچ کر ذخیرہ کرتے تھے۔ اِس سے نہ تو تم کو دنیا میں کوئی فائدہ ملا اور نہ آخرت میں۔ دنیا میں تم کنجوس اور مکھی چوس کہلائے۔ اور آخرت میں خدا کی نافرمانی کے جرم میں دھر لئے گئے۔ انسان دنیا میں خالی ہاتھ آتا ہے اور دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔ پھر نہ معلوم یہ دولت جمع کر کے دوسروں کو تکلیف میں ڈالنا کس مصرف کا ہے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ اس پر رحم نہیں کیا جائے گا باہمی تعاون ایک دوسرے کی امداد کا جذبہ، اور دوسروں کو اپنے ساتھ چلانے کا احساس معاشرہ کو بہت سی بُرائیوں سے بچاتا ہے۔ چند ہاتھوں میں دولت کے جمع ہونے سے چوری، ڈاکہ زنی اور غارت گری کا جذبہ اُبھر آتا ہے جو معاشرہ کے امن کو تہ وبالا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ سود خواری کے اس مذموم کاروبار سے باز نہیں آتے۔ ان سے کہدو کہ وہ قدرت کے خلاف اعلانِ جنگ کر رہے ہیں۔ قدرت کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ناجائز نفع خوری اور سودی کاروبار سے انسان کی وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار مر جاتی ہیں جو اس کو اشرف المخلوقات ہونے کے زمرہ میں شامل کرتی ہیں۔ جائز ذرائع سے دولت کمانا انسان کا حق ہے۔ اس حق کو قرآنِ پاک نے تسلیم کیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا ہے کہ تمہاری اس کمائی میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو تم سے امداد کے خواہش مند ہوں اور اُن لوگوں کا بھی جن کے پاس دولت کمانے کے وہ ذرائع موجود نہیں جو تمہارے پاس ہیں لہذا ان کا حصہ ان کو دو اور اپنا حصہ آپ رکھو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہاری یہ دولت فتنہ اور فساد کا باعث بنے گی۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ گداگروں کو کچھ دے کر قوم میں ایک بے کار طبقہ پیدا کرو، اسلام

نے گداگری اور بھیک مانگنے سے منع کیا ہے اور واضح لفظوں میں کہا ہے کہ اُوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے یعنی خیرات خور کی وہ قدر و منزلت نہیں رہتی جو خیرات دینے والے کی ہوتی ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ تم خدا کی دی ہوئی طاقت کو کام میں لاکر دولت کماؤ لیکن اس پر خود سانپ بن کر مت بیٹھو۔ بلکہ ضرورت مندوں کو قرضِ حسنہ دے کر ان کی ضرورت کو پورا کرو تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ شانہ بہ شانہ چل سکیں اور اس طرح معاشرہ میں فتنہ و فساد کی بنیاد نہ پڑے۔ اسی لئے سودی لین دین سے منع کیا گیا ہے تاکہ معاشرہ میں تعاون کا جذبہ اور احساسِ شفقت قائم رہے۔ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرکے ذخیرہ کرنے کا جذبہ انسانی طرزِ معاشرت کے منافی ہے۔ اس سے قوم میں بے رحم اور سنگ دل لوگوں کا اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ انسانیت کے دائرہ سے نکل کر خود پرست اور خود غرض بن جاتے ہیں جو اسلامی تعلیم کی روح کے خلاف ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ معاونت کا ہاتھ پیش کرو تاکہ وہ بھی اپنے لئے ایک مقام پیدا کرسکیں۔ اگر تم جونک کی طرح دوسروں کا خون ہی چوستے رہے اس سے تمہارے اچھے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اور قوم بھی کسی ٹھکانے نہیں لگے گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے ایسے کاروبار سے منع کیا ہے جس کے ذریعے بلا معاوضہ ایک کی دولت کھائی جائے اور اس کو محتاج یا مجرمانہ زندگی گذارنے پر مجبور کیا جائے، دنیا کے مفادات اور دولت کمانے کے ذرائع انسان کی مشترکہ میراث ہیں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حق کی حفاظت کرے۔ نہ یہ کہ دوسروں کا حق چھین کر تجوریاں بھر دی جائیں۔ یہی آئینِ مسلمانی ہے جس کو ہر جگہ فروغ ملنا چاہیئے۔

کرو مہربانی تم، اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

۲۴

کسی چیز کے حسن و جمال کا اندازہ اس کے مدِ مقابل سے لگایا جاتا ہے اگر اس دنیا میں تنوع اور امتیاز نہ ہو تو مطالعہ کائنات، سعی و کوشش اور حصول مدعا کی تمام کوششیں بے لطف ہو کر رہ جائیں۔ اسی وجہ سے قانونِ قدرت نے ابتدائے آفرینش سے نور و ظلمت، بدی اور نیکی کی کشمکش کا سلسلہ جاری کیا ہے اور یہ کشمکش ابد تک جاری رہے گی۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ایک تو قابلِ قبول چیزوں کی خوبیاں اُبھرتی ہیں دوسرے مقابلہ کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ ہم نے نیکی اور بدی، ہدایت اور گمراہی کے مواقع فراہم کر کے دونوں کے فوائد و نقصانات واضح کر دیئے۔ دونوں کے راستے متعین کر دیئے۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ فہم و ادراک سے کام لے کر اپنے لئے وہ راستہ متعین کرے جو اُسے ساحلِ مُراد سے ہمکنار کر سکے۔ حقیقتاً نور و ظلمت کی یہ کشمکش بھی انسانی مفاد کے لئے بے حد ضروری ہے اگر یہ کش مکش نہ ہوتی تو اکثر انسانی قویٰ مفلوج اور بے کار ہو جاتے ان کا کوئی مصرف باقی نہ رہتا۔ دنیا میں ہم رنگی اور یکسانیت ہوتی تو اس کی خوبصورتی بے اثر ہو کر رہ جاتی اور انسان ایسی ذی شعور مخلوق محض ایک مشین بن کر رہ جاتی۔ اس کی سرگرمیاں محدود اور پھیکی ہو جاتیں اور اسے ترقی کے منازل طے کرنے کی کوئی چاہت نہ رہتی۔ لہٰذا دنیا کے اس اختلاف اور تنوع کو بھی قدرت کا ایک بہت بڑا عطیہ سمجھنا چاہیئے۔ جس سے انسان کو سعی و عمل کی ترغیب ملتی ہے۔ بھلے بُرے کی پہچان کا ملکہ پیدا ہوتا ہے

کھرے اور کھوٹے میں فرق کرنے کا جذبہ اُبھرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے لئے جو چیز اور جو مقام حاصل کرتا ہے اس میں روحانی لذت محسوس کرتا ہے۔

قدرت کے اس اٹل اصول کو مدِ نظر رکھ کر ہمیں دنیا کے اس تضاد اور تنوع سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ نیکی اور بدی کی آویزش سے بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ بھلائی اور بُرائی کے مقابل ہمت ہار کر نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ بلکہ قدرت کی دی ہوئی قوتوں سے کام لے کر ظلمت اور بدی کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اور اس طرح اپنے اور بنی نوع انسان کے لئے وہ شاہراہ صاف کر دینی چاہیے جو منزلِ مراد تک پہنچاتی ہے جو خالقِ کائنات کی خوشنودی پر ختم ہوتی ہے۔ مسلمان کی شان قرآنِ کریم میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ نیکی کے ذریعہ بدی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جب دنیا میں بدی عام ہو جائے۔ جب معاشرہ میں بُرائیاں پھیل جائیں تو ہمیں نیکی کی تلوار ہاتھ میں لے کر میدان میں آنا چاہیئے۔ اور اس کے ذریعہ بدی کا قلع قمع کرنا چاہیئے۔ یہی مردانِ حُر کا کام ہے کہ وہ نیکی کے ذریعہ بدی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ بھلائی کے ذریعہ بُرائی کو جڑوں سے کاٹ دیتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مسلمان مایوس ہو کر بُرائی کے سامنے ہتھیار ڈال دے اور اس کو دنیا میں پنپنے کا موقعہ دے، پھر مسلمان کی جدوجہد وقتی اور عارضی نہیں ہوتی۔ مسلمان عزم و استقلال کا پیکر ہوتا ہے وہ بدی کے خلاف برابر جدوجہد کرتا رہتا ہے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا جب تک معاشرہ بُرائیوں سے پاک نہ ہو اور اس میں ایسی صلاحیت پیدا نہ ہو کہ وہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکے

پس اگر زمانۂ ہدایت سے دوری کی وجہ سے ماحول کے بداثرات کی وجہ سے ہمارے اپنے معاشرے میں خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن سے ڈرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ ہمارے پاس وہ مکمل ہدایت موجود ہے جس نے انسان کو انسانیت کے بلند مقام پر پہنچا کر ایک دفعہ ساری دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ بدی اور ظلمت کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ آسمانی ہدایت ایک بے خطا نسخہ ہے جس کی موجودگی میں بُرائی کی کوئی دبا بنی نوع انسان کو اخلاقی اقدار سے محروم نہیں کر سکتی اپنا اصل مقام حاصل کرنے سے روک نہیں سکتی۔ جب ہمارا اپنا معاشرہ اِن عارضی بیماریوں سے پاک ہو جائے گا

ہم پھر ایک دفعہ اس قابل ہوں گے کہ تمام دنیائے انسانیت کو راہ راست پر لائیں اور دنیا کو ایک مثالی جنت بنا دیں۔ ہمارے معاشرے میں اکثر برائیاں وہ ہیں جو ہم نے دوسروں سے لی ہیں جن کو عارضی بیماریاں کہا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں میں کوئی ایسی اخلاقی بیماری نہیں جو نا قابلِ علاج اور ہلاکت خیز ہو۔ پھر اس چشمہ سے سیراب ہونے والے اگر ماحول کے اثر سے کبھی بھٹک بھی جائیں پھر بھی ان کے دلوں میں وہ احساس وہ جذبہ اور وہ تڑپ باقی رہتی ہے جو فطرت نے حضرتِ انسان کو عطا کی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس احساس، اس جذبہ اور جوش و ولولہ کو بیدار کیا جائے۔ اس کو جِلا دی جائے اور اس سے کام لیا جائے۔ اس طرح ہمارا معاشرہ کم سے کم وقت میں تمام برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں صرف اتنا کہنا ہی کافی نہیں کہ ہمیں اسلامی طریق زندگی اختیار کرنا چاہیئے بلکہ یہ ضروری ہے کہ ہم قدم قدم پر اس طریق زندگی کی نشان دہی کریں اور معاشرہ کو اس حقیقت سے آگاہ کریں کہ اسلامی طرزِ زندگی کیا ہے اور اس کے لئے ہمیں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا ہدایات ملی ہیں۔

گر نہ بودے در مقابل روئی مکروہ و سیاہ

کس چہ دانستے جمالِ شاہدِ گل فام را

۲۵

اسلام اپنوں اور غیروں دونوں کے لئے رحمتِ عام ہے۔ قرآن پاک کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ سب تعریفوں کی حقدار خدا کی ذات ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے لہذا اس کے بندوں کو بھی وسیع القلب ہونا چاہیئے اور اس کی کائنات کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اُن کے ساتھ برابری اور مساوات کا سلوک کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم کی شاندار ابتداء کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ اسلامی نظام میں غیر مسلموں کا کیا درجہ ہے اور کیا حقوق ہیں پھر بھی قرآن کریم اور حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار غیروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کی، مذہبی عقائد کے متعلق حکم دیا کہ دین کے بارے میں کسی شخص پر سختی یا زیادتی نہیں کرنی چاہیئے۔ سمجھانا تمہارا فرض ہے اور ماننا نہ ماننا لوگوں کا اپنا کام ہے۔ اگر وہ اپنے اعمال و عقائد پر قائم رہتے ہیں، تو ان پر جبر روا نہیں۔ قرآن کریم نے اہلِ کتاب کو بھی بعض مسائل میں دعوتِ اتحاد دی۔ فرمایا۔ ان اہلِ کتاب سے کہدو کہ آؤ، ہم خدا کی ذات کے بارے میں تو مشترکہ اور متحدہ طرزِ عمل اختیار کریں تم بھی خدا کی ذات کا اقرار کرتے ہو اور ہم بھی۔ لہذا ہمیں اس بارے میں فیصلہ کرنا چاہیئے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ کیونکہ یہ عقیدہ ہم میں اور تم میں مشترک ہے۔ لہذا جہاں اتحاد کی گنجائش ہو وہاں اختلاف نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ نے مدینہ کے غیر مسلموں کے ساتھ شہری دفاع اور ملکی سلامتی کا ایک معاہدہ کیا کہ ہم لوگ مل کر شہر کا دفاع کریں گے جس سے صاف ظاہر ہے کہ

معاشری زندگی کے مشترکہ مفادات کے بارہ میں بھی مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ اشتراکِ عمل کیا
البتہ جہاں جہاں عقائد اور اعمال کا اختلاف تھا وہاں غیر مسلموں کو بھی اسی طرح آزادی دی گئی
جس طرح مسلمانوں کو آزادی حاصل تھی۔ فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی کے راستے واضح کر دیئے گئے
ہیں اب یہ لوگوں کا اپنا کام ہے کہ وہ اپنے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر کوئی راستہ اختیار کریں اس سلسلہ
میں اُن پر کوئی دباؤ نہیں ڈالنا چاہیئے۔ غیر مسلموں کو ذمی قرار دیا۔ یعنی اسلامی سلطنتوں میں ان کے
مال و جان اور عزت و آبرو کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ دفاعی سرگرمیوں میں حصہ لینا ضروری تھا
یہ ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی گئی اور غیر مسلموں کو اس سے بالکل مستثنیٰ رکھا گیا۔ مسلمانوں پر اس
سلسلہ میں اتنی سخت پابندیاں تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ ایک جنگ
میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کے ساتھ مقاطعہ کیا گیا۔ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہ مقاطعہ
اس وقت تک جاری رہا جب تک ان لوگوں نے اپنی معذوری ثابت کی اس وقت
ان کو معاف کر دیا گیا۔ حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باقاعدگی کے ساتھ اپنے غیر مسلم ہمسایوں
کی خبر گیری فرماتے تھے۔ اُن کی کوتاہیوں سے درگذر فرماتے تھے اور ان کی خبر گیری کے لئے
ان کے گھروں میں جاتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر قریشِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی زیادتیوں کو یاد کر
کے گھر بار اور شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور اس کے
ساتھ کوئی اس قسم کی شرط وابستہ نہ تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ تب اپنے گھروں کو آسکتے ہیں
یہ طریقہ مسلمانوں کا ہر ملک اور ہر دور میں رہا۔ انہوں نے غیروں کے ساتھ فراخدلانہ سلوک کیا فتح
بیت المقدس کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے اس لئے بیت المقدس سے باہر آکر نماز ادا کی کہ کہیں
مسلمان بعد میں بیت المقدس کے لوگوں پر اپنا حق فائق قرار نہ دیں۔ رچرڈ بیمار ہو گیا۔ سلطان
صلاح الدین ایوبی بھیس بدل کر دشمن کے کیمپ میں گیا اور رچرڈ کا علاج اور خدمت کرتا رہا۔ میدان
جنگ میں رچرڈ کا گھوڑا مارا گیا۔ مسلمان فوجی اس کو پکڑ کر لائے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنا
گھوڑا دے کر بحفاظت اپنے کیمپ میں بھیج دیا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان غیروں

کے بارے میں کس قدر فراخ دل واقع ہوئے ہیں اور یہ سب کچھ اسلامی تعلیمات کا اثر ہے۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو اس کے ظلموں کی سزا دی۔ اُس کے بعد حکومت غیر مسلم عوام کے سپرد کر دی اس لئے کہ جمہوریت کی بنیاد ہی اسلام نے رکھی ہے مسلمانوں نے کم وبیش گیارہ سو سال برصغیر پر حکومت کی۔ انہوں نے کبھی ہندوؤں کو ترکِ مذہب پر مجبور نہیں کیا۔ اس کے برعکس انہوں نے ہندوؤں کے مندروں، دھرم شالاؤں اور دیوآستھانوں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں مقرر کر دیں۔ اپنی سلطنت میں ہندوؤں کو اعلےٰ اور ذمہ داری کے عہدے دیئے۔ اگر مسلمان متعصب اور سنگ دل ہوتے تو یقیناً اتنے لمبے عرصے میں برصغیر میں ہندوؤں کا نام ونشان تک مِٹ گیا ہوتا۔ لیکن مسلمانوں نے کبھی اس قسم کی انسانیت سوز حرکت نہ کی اور قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں قائدِاعظم علیہ الرحمۃ نے واضح اعلان کیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے یہ ہمارا ماضی اور حال ہے اسی پر ہمارے مستقبل کی بنیادیں استوار ہوں گی۔

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اسکی گایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

۲۶

انسانی معاشرہ کی نوعیت ہی اس قسم کی ہے کہ یہ باہمی تعاون، اعانت اور استعانت کے بغیر اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لیکن ضروری ہے کہ یہ تعاون صحیح رنگ کا ہو۔ اگر غلط معاملات میں دستِ تعاون بڑھایا جائے اس سے مفاسد اور برائیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اسی لئے قرآنِ پاک نے واضح لفظوں میں ہدایت کی ہے کہ نیکی اور مفید کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرو۔ لیکن بدی اور ظلم و استبداد میں تعاون نہیں کرنا چاہیئے۔ مثلاً جب ضرورت ہو معاشرہ کو سدھارنے میں ایک دوسرے کے ساتھ پورا پورا تعاون ہو لیکن جو بات انسانی مفاد، اجتماعی بھلائی اور معاشرہ کے خلاف جاتی ہو اس میں کسی حالت میں بھی تعاون اور ایکا نہیں کرنا چاہیئے۔ تعاون کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے دو آدمی ایک دوسرے کے بھلے کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں۔ ایک بستی کے لوگ اپنے جائز مفادات کی حفاظت کے لئے تعاون کر سکتے ہیں دو شہروں کے لوگ مشترکہ مفادات کے لئے تعاون کر سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کار شہروں، قصبوں سے گزر کر ملکی سرحدوں اور سرحدوں سے باہر بھی جا سکتا ہے اِسی عندیہ کے تحت حضرت ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زمانہ میں آس پاس کی تمام حکومتوں کو خیر سگالی کے پیغامات بھی بھجوائے تا کہ باہمی تعاون کے ذریعے ایک ایسے معاشرہ کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے جو بُرائیوں سے پاک اور نیکیوں میں طاق ہو۔ تاہم سب سے پہلے ایک دوسرے

کے قریب رہنے والوں کو یہ اعلیٰ انسانی اصول اپنانے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار انسان بن کر خوش گوار زندگی گذار سکیں اور پھر یہ معاونت زندگی کے ہر مفید شعبہ میں لازمی ہوتی ہے پس ماندہ لوگوں کو اُٹھانے، بے راہوں کو راہ راست پر لانے، غلط رسم ورواج کو مٹانے، معاشرتی بُرائیوں کا مقابلہ کرنے، سماج دشمن لوگوں کو اپنی غلط سرگرمیوں سے باز رکھنے دکھی انسانوں کا دُکھ دور کرنے، ملک کی معیشت کو بڑھاوا دینے اور عوام کے لئے خوشحال زندگی مہیا کرنے کے سلسلے میں باہمی تعاون کو نہایت ہی اعلیٰ اور ارفع مقام حاصل ہے اور پھر تعاون کی بین الانسانی حدیں بھی وسیع ہیں۔ تعاون صرف ایک طبقہ یا جماعت کا دوسرے طبقہ یا جماعت کے ساتھ ہی کافی نہیں یہ اشتراک عمل حاکم اور محکوم کے درمیان بھی لازمی ہے کیونکہ اگر حاکم اور محکوم الگ الگ سمتوں کی طرف دوڑتے رہیں تو اس سے درمیان میں ایسا خلاء پیدا ہو جائے گا جس کا پاٹنا مشکل ہے اور اس سے معاشرے میں اور زیادہ مفاسد پیدا ہو جائیں گے جیسا کہ ابھی ابھی کہا گیا ہے۔ تعاون اور اشتراک عمل زندگی کے ہر مفید شعبہ میں ضروری ہے مثلاً آپ اپنی بستی یا ملک کی معیشت کو ترقی دینا چاہتے ہیں اس کے لئے اتنا سرمایہ اکٹھا کیجئے اور ایسے کاروباری ادارے قائم کیجئے جن سے ملک کی معیشت ترقی کرے، بے کار لوگوں کو کام میسر آئے اور وہ بھی اطمینان بخش زندگی کے ذریعہ مفاسد اور بُرائیوں سے محفوظ رہیں۔ باہمی تعاون سے شفاخانے، تعلیمی ادارے، خیر عام کے مرکز اور دوسرے مرکز قائم کئے جائیں۔ اس لئے کہ یہ کام صرف ایک طبقہ کی ذمہ داری نہیں ہوتی اور نہ ایک ہی طبقہ ملک کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ اگر ملک یا قوم میں ایک غلط رجحان پیدا ہو جاتا ہے اس کو روکنے کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایئے ملکی نظام کی طرف سے کوئی ایسا اقدام کیا جاتا ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچ سکتا ہو اس میں نظامِ حکومت کے ساتھ تعاون کیجئے۔ اسی کو صحیح معنوں میں جمہوریت کہتے ہیں یہ جمہوریت نہیں کہ ملکی یا قومی آبادی کے دو دھڑے بن جائیں ایک حزبِ اقتدار کہلائے اور دوسرا حزبِ اختلاف، اور وہ اپنے اُوپر یہ ذمہ داری عائد کریں کہ حزب اقتدار جو کچھ یا کرے حزبِ اختلاف اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے اس میں کیڑے نکالنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح حزب اقتدار ہر بات میں

حزبِ اختلاف کو نیچا دکھانا اپنا فرض قرار دے۔ اس قسم کے رویہ سے نہ تو معاملات سُدھر سکتے ہیں اور نہ جمہور کا بھلا ہو سکتا ہے۔ جمہور کا بھلا اسی میں ہے کہ ہر اچھے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جائے اور بُرے کاموں میں تعاون نہ کیا جائے۔ یہ معاشرے کو خوشحال بنانے، برائیوں سے پاک کرنے اور اعتدال کی راہ پر لانے کا بے خطا طریقہ ہے جس کی قرآنِ پاک نے بنی نوع انسان کے بھلے کے لئے تلقین کی ہے۔

جماعت کی عزّت میں ہے سب کی عزّت
جماعت کی ذلّت میں ہے سب کی ذلّت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت
نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت
وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہو گی جڑ اس گلستاں میں جس کی

یہ ایک مسلّمہ اور غیر متنازعہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا اپنا ایک معیارِ اخلاق ہے جس کے طفیل انہوں نے قرونِ اولیٰ میں دنیا کی تمام قوموں پر فوقیت حاصل کی جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اس آئین معاشرت اور معیارِ اخلاق پر چلتے ہیں جس کی رہنمائی قرآنِ پاک نے کی ہے اور جس کی عملی تفسیر حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک اور آپؐ کے صحابہؓ اور خلفاء کا طرزِ عمل ہے اگر ہمارا کوئی اقدام اس معیار کے خلاف ہو۔ اس کو غیر اسلامی اخلاق میں شمار کیا جانا چاہیئے لیکن بدقسمتی سے اب ہوا ہی ایسی چل پڑی ہے کہ ہم غیر قوموں کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ ان نقوش کو اسلامی طرزِ حیات کا نام دیتے ہیں اور ان کی تائید و حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں تاکہ دوسروں کو اپنی اسلام پرستی کا غلط یقین دلا کر اپنے مقاصد پورے کئے جائیں جو فی الحقیقت اسلام کے پاک نام کا استحصال ہے جو کسی لحاظ سے جائز ہے اور نہ کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے۔ لہٰذا جب تک اس طرزِ عمل سے کنارہ کشی نہ کی جائے اس وقت تک نہ تو ہمارا نظریۂ حیات مستحکم ہو سکتا ہے اور نہ ہم اس معیار پر پورے اُتر سکتے ہیں جو ایک مسلمان کے لئے مقرر ہے۔

ہمارے پاس قرآن کریم کی صورت میں اسلامی آئین موجود ہے عملی ہدایت کے لئے احادیثِ نبوی صلعم اور سنتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا طریق کار موجود ہے اس کے باوجود اگر ہم وہ

طرزِ عمل اور طریق کار اختیار کرتے ہیں جو اسلامی روح کے منافی ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہماری اسلام پرستی کے دعوے درست نہیں۔ ہم اسلامی آئین اور اسلامی قانون کے لئے جو چیخ و پکار کر رہے ہیں وہ محض ان سادہ لوح لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ہوتا ہے جو اسلام کے نام پر مر مٹتے ہیں تاکہ اس طرح ہم اپنے مقاصد کی تکمیل کریں۔

صداقتیں ازلی اور ابدی ہوتی ہیں ان کی جزئیات میں کہیں فرق ہو تو ہو اصول میں فرق نہیں ہوتا۔ مثلاً جھوٹ اور بد دیانتی ایک اخلاقی جرم ہے اس کو امریکی قانون میں بھی جرم ہی کہا جائے گا، برطانوی اور جرمنی قانون میں بھی اور اشتراکی بھی اس کو یہی نام دیں گے۔ اب اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ جب تک اس جرم اور اس کی سزا کو ایک خاص نام نہ دیا جائے، ہم اس کی حرمت اور اباحت کے قائل نہ ہوں گے یہ منطقی لحاظ سے غلط ہوگا۔ آج کل ہم نے کچھ اسی قسم کا وطیرہ اختیار کیا ہوا ہے مثلاً ایسے سماجی جرائم ہیں جن کو اسلام نے بھی جرم قرار دیا ہے اور مروجہ قانون کے لحاظ سے بھی وہ قابلِ تعزیر جرائم ہیں اس کے باوجود ہم ایک طرف تو اسلامی قانون کے اجراء کا دعویٰ اور مطالبہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف کھلے کھلاتے اِن جرائم کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ مثلاً اسلام کے فوجی ضوابط میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جب مدافعت کے لئے کسی ملک پر فوج کشی کا موقعہ آئے تو بے ضرر لوگوں کے ساتھ تعرض نہ کرو فصلوں اور بستیوں کو تباہ مت کرو، جو لوگ گھروں میں بیٹھے ہوں اور میدانِ جنگ کے ساتھ کوئی واسطہ نہ رکھتے ہوں ان کو اذیت مت پہنچاؤ۔ عبادت گاہوں کو نذرِ آتش مت کرو، لوگوں کی جائدادیں مت لوٹو چنانچہ مسلمانوں کی جو فوج جب کبھی محاذ جنگ پر جاتی تھی ان کو سب سے پہلے یہ ہدایات دی جاتی تھیں۔ اور ان پر پورا پورا عمل ہوتا تھا یہ ہدایات غیر اقوام کے بارے میں تھیں لیکن یہاں اب حالت یہ ہے کہ ایجی ٹیشنیں کرائی جاتی ہیں اور ان ایجی ٹیشنوں میں جہاں اور سینکڑوں غیر اسلامی حرکات کا ارتکاب کیا جاتا ہے وہاں قومی جائداد کو تباہ کیا جاتا ہے۔ مفاد عامہ کے ذرائع کو برباد کیا جاتا ہے بے گناہ لوگوں کے گھروں اور جائدادوں کو نذرِ آتش بھی کیا جاتا ہے اور لوٹا بھی جاتا ہے بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض طبقے اِن ایجی ٹیشنوں میں شریک ہی لوٹ مار کے لئے ہوتے ہیں اور جب ان کا مقصد

پورا ہو جائے تو وہ آرام سے یہ مال و دولت لے کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اور اسلامی قوانین کا مطالبہ کرنے والے نہ صرف یہ کہ ان افعال پر فخر کرتے ہیں بلکہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کی پوری حمایت کرتے ہیں تاکہ ان کو ان غیر اسلامی حرکات پر مزید ابھارا جائے جن لوگوں کو ان جرائم کی پاداش میں گرفتار کیا جاتا ہے ان کی رہائی کے لئے اسی قسم کی غیر اسلامی تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی چور یا زانی کو گرفتار کیا جائے یا سزا دی جائے تو اس کے ہم پیشہ اس کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک مرتشی اور بد دیانت افسر کو نوکری سے علیحدہ کیا جائے تو اس کی بحالی کے لئے تحریکیں چلائی جاتی ہیں۔ الغرض یہ وبا ایسی عام ہو گئی ہے کہ ایک مسلمان کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ اگر ہم اسلامی آئین حیات چاہتے ہیں۔ اسلامی احکام پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں تو اسلام کے نام پر ان قبائح کو ترویج دینا اسلام کے ساتھ ظلم کے مترادف ہے۔

تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے
اب خوف ہے مدت سے دلوں میں نہ رجا ہے
جو کچھ ہیں وہ سب اپنی ہی باتوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلہ ہے
دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت
سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہے

۲۸

معاشرہ میں بُرائیاں کچھ اُوپر کے طبقے سے آتی ہیں اور کچھ نچلے طبقے میں جنم لیتی ہیں اُوپر کے طبقے سے جو بُرائیاں آتی ہیں وہ زیادہ خطرناک اور زیادہ لاعلاج اور زیادہ ہلاکت آفریں ہوتی ہیں۔ ان برائیوں کی بنیادی وجہ اسباب کی فراوانی اور تعیش پسندی کی عادت ہوتی ہے قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ جب کسی قوم کے بُرے دن آتے ہیں تو اس کے آسودہ حال لوگ تعیش پسندی اور فسق و فجور کے شکار ہو جاتے ہیں۔ جب یہ بُرائیاں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں تو یہ قومیں اور بستیاں تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اقوام عالم کی تاریخ کے مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے اس قرآنی صداقت کی حرف بحرف تائید کرتے ہیں۔ نچلے طبقہ میں جو بُرائیاں جنم لیتی ہیں ان کی بنیادی وجہ احتیاج اور آسودہ حال طبقہ کی بے حسی ہوتی ہے۔ عوام امیر اور آسودہ حال طبقہ کی بے رخی کی وجہ سے طرح طرح کی بُرائیوں کو اپنا لیتے ہیں تاہم اگر بالائی طبقے میں معاشرتی بُرائیوں کے بدانجام کا احساس پیدا ہو جائے تو نچلے طبقے میں پیدا ہونے والی بُرائیاں اتنی زیادہ لاعلاج اور تباہی خیز نہیں ہوتیں معاملات کسی اچھی انتظامیہ کے ہاتھ میں آجائیں تو نچلے طبقہ میں پیدا ہونے والی بُرائیوں کو فوراً ختم کیا جا سکتا ہے لیکن اُوپر کے طبقے سے آنے والی بُرائیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے یہ لوگ اپنے اثر و رسوخ اور دولت کی وجہ سے آنچ اپنے تک نہیں آنے دیتے بلکہ بسا اوقات اپنی برائیوں اور اپنے جرموں کو بھی نچلے طبقے کے سر ہی تھوپ دیتے ہیں۔ بہرکیف

برائی اُوپر کے طبقے سے آئے یا نچلے طبقے میں جنم لے وہ بُرائی ہی ہے اور اگر اس کی روک تھام نہ کی جائے تو وہ معاشرہ کی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ اس قسم کی بُرائیوں کی روک تھام کسی خاص طبقہ کی حسنِ کارکردگی تک محدود نہیں نہ تو حکومت تنہا ان بُرائیوں کو ختم کر سکتی ہے اور نہ اکیلے عوام۔ ان بُرائیوں کے ازالہ کے لئے مشترکہ جدوجہد اور باہمی تعاون اور جذبہ خیر سگالی کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ہر مسلمان کو بُرائیوں کی روک تھام اور نیکیوں کی ترویج کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے اور پھر وضاحت کے ساتھ اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ جب امتداد زمانہ کی وجہ سے معاشرہ میں بُرائیاں پھیل جاتی ہیں اور قومیں تباہی کے غاروں میں گرنے لگتی ہیں اس وقت ہر ایمان دار اور نیک عمل انسان ایک دوسرے کو حق و صداقت کی تلقین کرتا ہے اور صبر و استقامت کا درس دیتا ہے تاکہ معاشرہ بُرائیوں سے پاک ہو جائے اور قومیں ان کے بداثرات سے بچ جائیں پہلے زمانے میں اس قسم کی تبلیغ کے لئے مسجدیں اور عبادت گاہیں مخصوص تھیں لیکن اس زمانہ میں ذرائع ابلاغ میں اس قدر وسعت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر معاشرہ کی تطہیر مطلوب ہو تو اس کے لئے ہمارے پاس بے شمار ذرائع موجود ہیں مثلاً سب سے پہلے یہ فرض علماء دین پر عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد اور معابد کی محفلوں کے ذریعہ بُرائیوں کی نشان دہی کریں۔ ان کی تباہی خیزی کی وضاحت کریں، اور لوگوں کو ان بُرائیوں سے دست کش ہونے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا نمبر آتا ہے جس کی زمام ادیبوں، دانش وروں اور سلجھے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے فن کے ذریعہ معاشرہ کی تطہیر کے لئے بہت کام کر سکتے ہیں۔ اسی طرح پریس اور پلیٹ فارم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو معاشری بُرائیوں سے آگاہ کرے اور ان کو ختم کرنے کی مہم شروع کر دے۔ پھر حکومت کی مشینری کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان بُرائیوں کے ازالہ کے لئے کام کرنے والے اداروں کا ہاتھ بٹائے تاکہ مشترکہ کوششوں کے ذریعے ان بُرائیوں کو ختم کیا جا سکے اور ملک و ملت کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم نے بُرائیوں کی غلط تشہیر سے منع کیا ہے کیونکہ اس طرح اور لوگوں کو بھی بُرائی کی

ترغیب ملتی ہے جس کا رونا اس زمانہ میں ہر جگہ رو یا جاتا ہے معاشری بُرائیوں کو بہت زیادہ عروج فلموں، ریڈیو کے عریاں گانوں اور ٹیلی ویژن کے بے سوچے سمجھے افسانوں سے ملتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنے ذرائع ابلاغ کو اس قدر شُستہ اور شائستہ بنائیں کہ اُن سے کسی کو بدی کی ترغیب نہ ملے۔ معاشرہ میں جو بُرائیاں جنم لیتی ہیں ان کا خمیازہ قوموں اور ملکوں کو بھگتنا پڑتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان مفاسد کی روک تھام کے لئے اجتماعی کوششوں سے کام لیا جائے باہمی تعاون سے کام لیا جائے یہ نہ ہو کہ ایک طبقہ دوسرے طبقہ کی بُرائیوں کی تشہیر میں ہی خوش ہو اور اس طرح اپنے آپ کو بھی اس دلدل میں پھنسا لے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

۲۹

مذہب کی غرض و غائت یہ ہوتی ہے کہ بنی نوع انسانوں کو ایک ایسی شاہراہ پر ڈالا جائے جس پر چل کر وہ انسانی شرف و وقار کی منزل پر پہنچ سکیں اور پھر بنی نوع انسان میں سب لوگوں کو ایک ہی دماغ اور ایک ہی قسم کے قویٰ عطا کئے ہوئے نہیں ہوتے۔ ان میں سے اکثریت عوامی دماغ کی مالک ہوتی ہے اور بہت ہی کم لوگ ذہنی اور دماغی طور پر ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ اس لئے معاشرہ کی رہنمائی کی ضرورت کو وہی مذہب پورا کر سکتا ہے جو سادہ اور آسان ہو جس میں افسانویت نہ ہو، بلکہ سب باتیں وہ ہوں جن کی تائید عقل اور قوانین فطرت کریں یہی دعویٰ اسلام کا ہے کہ اسلام سادہ اور آسان مذہب ہے یہ انسانی فطرت کے قریب ہے اور ہر انسان اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کر سکتا ہے تبلیغ دین کے بارے میں حضرت محبوب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے ساتھ اُن کی سمجھ بوجھ کے مطابق بات کیا کرو، ایک عام سمجھ رکھنے والے انسان کے سامنے منطق، فلسفہ اور تصوف کی اصطلاحات کا ڈھیر مت لگاؤ اس طرح تمہاری محنت اکارت جائے گی اور تمہارا مدمقابل کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔ بدقسمتی سے جوں جوں ہم اپنے سرچشمہ سے دور ہوتے گئے لوگوں نے اسلام کو افسانوی اور چیستانی رنگ دیا جس کی وجہ سے عام لوگ مذہب کی روح سے بیگانہ ہو گئے اور انہوں نے اس قسم کے رسم و رواج کو مذہب کے نام پر اپنانا شروع کیا جن کا مذہب کی رُوح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اب ہماری مساجد اور مذہبی

پلیٹ فارموں پر جس قسم کی تقریریں ہوتی ہیں ان میں صاف یہی افسانوی رنگ جھلکتا نظر آتا ہے مقرر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے کوئی افسانہ گڑھ لیتا ہے اور سامعین سے واہ واحاصل کرتا ہے تعلیم یافتہ طبقہ یہ افسانے اور چیتان سن کر ہنس دیتے ہیں اور مذہب سے بیگانگی اختیار کرتے ہیں۔ گویا مذہب اب ان کے نزدیک ایک قصہ پارینہ رہ گیا ہے جس کو وقتی خوشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام کا ہر حکم اور ہر عمل ٹھوس دلیل اور حکمت پر مبنی ہے اور قرآن پاک نے بار بار اس کی وضاحت کردی ہے۔ مثلاً قربانی کو لیجئے۔ خدا فرماتا ہے کہ خدا کو تمہارے ان جانوروں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں وہ تم میں تقویٰ اور مذہب کی رُوح دیکھنا چاہتا ہے جو یہ ہے کہ مسلمان کو ہر وقت قومی، ملکی ملّی اور نوعی مفاد کے لئے عزیز سے عزیز تر قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ اسی طرح روزوں کے متعلق حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کو تمہارے بھوکا یا پیاسا رہنے کی ضرورت نہیں وہ تو تم میں وہ روح دیکھنا چاہتا ہے جس کے لئے روزے فرض کئے گئے ہیں یعنی تم میں تزکیۂ نفس، جفاکشی، قوتِ جہاد، دوسروں کی ہمدردی، دل، دماغ اور زبان کی صفائی پیدا ہو اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو بھوکا اور پیاسا رہنا بے معنی ہے۔ نماز کے متعلق فرمایا کہ اس سے جہاں باہمی خلوص و محبت اور افہام و تفہیم اور مل بیٹھنے کا موقعہ ملتا ہے وہاں اس سے انسانی اخلاق میں شستگی آتی ہے۔ انسان فحش گوئی، بدکلامی اور ناپسندیدہ باتوں سے پاک ہو جاتا ہے یہی حال حج اور زکوٰۃ کا ہے کہ اس سے اخوت و مساوات کا درس ملتا ہے۔ غریب اور مفلس لوگوں کی امداد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اگر اسلامی احکام کے یہ بلند مقاصد حاصل نہ ہو سکیں تو ہم کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ اسلام بنی نوع انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

اسلام سادگی، عقل و حکمت کی تلقین کرتا ہے تاکہ انسان میں اعلیٰ انسانی صفات مستحکم ہو جائیں۔ جن کی مثالوں سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے اگر اسی روح کو فراموش کیا جائے اور اس کے برعکس غیر مفید رسم و رواج، افسانویت اور غیر فطری باتوں کو اپنایا جائے، اس سے مذہب کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا بلکہ اس طرح تعلیم یافتہ طبقہ کے مذہب سے دور ہو جانے کا

خدشہ روز بروز قوی تر ہوتا جائے گا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کبار کی زندگی سادہ اور بے لوث تھی وہ سیدھی اور صاف بات کرتے تھے وہ اسلام کو اسلام کے رنگ میں پیش کرتے تھے۔ ہمیں بھی یہی رنگ اختیار کرنا چاہیئے۔ تاکہ لوگ اسلام کی روح اور حقانیت سے آگاہ ہو جائیں اور ان کا یہ یقین مستحکم ہو جائے کہ واقعی اسلام ہی ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس پر چل کر بنی نوع انسان کو دکھوں سے نجات مل سکتی ہے، انسانی مساوات حاصل ہو سکتی ہے، امن و سلامتی کی فضا استوار ہو سکتی ہے اور ساری دنیا امن و اطمینان کی زندگی گزار سکتی ہے یہاں محض زبانی دعووؤں سے کام نہیں چل سکتا۔ لہذا ہمیں اپنی زندگیوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا کرنا ہو گا کہ دنیا زمانۂ ماضی کی طرح کہ اُٹھے کہ مسلمان واقعی انسانیت کے نگہبان ہیں۔

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

۴۰

اسلام کے فوجی ضابطۂ اخلاق میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں کہیں جارحیت کا مقابلہ کرنا پڑے تو دشمن کے گھروں کو آگ مت لگاؤ۔ کھیتوں اور فصلوں کو تباہ مت کرو۔ مویشیوں کو ہلاک مت کرو، عورتوں، بچّوں — اور — بوڑھوں پر تلوار مت اٹھاؤ جو لوگ جنگ میں شریک نہیں ان کو تکلیف مت پہنچاؤ۔ جو لوگ دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھے رہیں اُن پر حملے مت کرو، عبادت گاہوں کو برباد مت کرو۔ خیر عام کے اداروں کو نقصان مت پہنچاؤ۔ جب مسلمانوں کی کوئی فوج کسی معرکے میں جاتی تھی یہ ہدایات پہلے ان کو سنائی جاتی تھیں تاکہ بے گناہ لوگوں کو دکھ نہ پہنچے ملکی معیشت برباد نہ ہو اور جنگ کے اثرات سے بنی نوع انسان کو پریشان نہ ہونا پڑے۔ چنانچہ اس ضابطۂ اخلاق کو ہر میدان میں مدنظر رکھا جاتا رہا۔ اور اس طرح ہر ملک اور ہر میدان میں مسلمان اپنی بلند کرداری اور اعلیٰ اخلاق کی دھاک بٹھاتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ کئی قوموں اور کئی ملکوں نے مسلمانوں سے درخواستیں کر کے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ اس لئے کہ اسلام سے پہلے روئے زمین پر کہیں آزادی اور جمہوریت کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آمریت، ملوکیت اور سامراج کا دور دورہ تھا۔ جو لوگ برسرِ اقتدار ہوتے تھے وہ دوسروں کو اپنا غلام سمجھتے تھے اور ان کو بھیڑ، بکریوں کی طرح فروخت کرنے میں احتراز نہیں کرتے تھے۔ آمر اور شخصی حکمراں اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے وہ باقاعدہ خدائی کے دعویدار

بنتے تھے۔ اسلام نے لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کر کے سب سے پہلے ان بتوں کو توڑا۔ انسان کو اپنی حیثیت سے روشناس کرایا اور اس پر واضح کر دیا کہ انسان، انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ خدا کی ذات کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں سب انسان برابر ہیں وہ ایک آدم اور ایک حوّا کی اولاد ہیں، لہٰذا ان کے حقوق برابر ہیں۔ ہاں یہ فرقِ مراتب ضرور ہے کہ جو لوگ خدائی ضابطۂ حیات پر چلتے ہیں وہ قابلِ احترام ہیں ان کی عزت کی جانی چاہیئے۔ ہر انسان کے حقوق مساوی ہیں اور اس کو ان حقوق کے استعمال کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس طرح اسلام نے دنیا سے ذہنی اور جسمانی غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ انسانوں میں ایک ہموار معاشرہ پیدا کیا اور ان کو عزتِ نفس کے آداب سے نوازا۔ انسانی آزادی کے اس اعلان کے بعد کہا گیا کہ اب تم اسی ضابطہ اخلاق کے ماتحت معاشرہ میں امن و امان برقرار رکھنے اور لوگوں کے حقوق محفوظ رکھنے کے لئے باہمی صلاح مشورہ سے ایک نظام قائم کر سکتے ہو جو تمہارے حقوق کی بھی حفاظت کرے، ملک کا بھی دفاع کرے اور ان بلند اصولوں کو بھی قائم رکھے جو انسانوں میں آزادی اور جمہوریت بحال رکھنے کے لئے قدرت کی طرف سے مقرر کئے گئے۔ اس نظام کے قیام کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر معاشرہ میں فتنہ و فساد بپا کرے یا خود سری کا راستہ اختیار کرے۔ اس موقعہ پر ارشاد ہوا کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کے اس سربراہ کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہی ہے اور تم نے ہی اُس کو اس مرتبہ پر کھڑا کیا ہے ہاں اگر کوئی بے راہ روی اختیار کرے، اس کے لئے اس کا محاسبہ کرو لیکن محاسبہ فتنہ و فساد پر منتج نہ ہو بلکہ اس کا مقصد صرف اصلاح احوال ہو۔ بغاوت، شورہ پشتی اور خود غرضی نہیں۔ معاشرہ میں اس قسم کی اصلاحی کوششوں کی شکل عوام دشمنی اور معاشی تباہی نہیں ہونی چاہیئے کہ بے گناہ لوگوں کو دکھ دیا جائے ذرائع حمل و نقل تباہ کئے جائیں۔ خیر عام کے اداروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ پل اور سڑکیں برباد کی جائیں۔ معاشرہ کی نقل و حرکت میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔ ہڑتالیں کر کے عوام کی زندگی اجیرن کر دی جائے کارخانوں کو آگ لگا دی جائے۔ تعلیمی اداروں کو فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنایا

جائے۔ اس قسم کے اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ جو ہاتھ اس شر و فساد کے پس پردہ ہوتے ہیں ان کا مقصد انسان کی دوستی عوام کی ہمدردی اور ملکی بہبود نہیں بلکہ وہ تباہی اور بربادی سے دوسروں کو مرعوب کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دوسروں کے خون کی قیمت پر اپنے اقتدار کے محل تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا واضح حکم ہے کہ انسان اسی مرتبہ کا حقدار ہے جس کو وہ جائز سعی و کوشش سے حاصل کرے۔ دوسروں کا استحصال کر کے اپنے لئے مرتبہ حاصل کرنا اسلامی ضابطۂ اخلاق کے منافی ہے۔

سکھاتی ہے محکوم کو یہ اطاعت
سجھاتی ہے حاکم کو راہ عدالت
دلوں سے مٹاتی ہے نقشِ عداوت
جہاں سے اٹھاتی ہے رسم بغاوت
یہی ہے رعیت کو حقدار کرتی
یہی ہے عدالت کو ہموار کرتی

(۴۱)

اسلام انسانیت کا مذہب ہے قرآن کریم انسانی زندگی کا بے خطار لائحہ عمل ہے اور حضرتِ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی عملی تفسیر ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے جب رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور کی سیرت قرآن پاک ہے۔ یعنی حضور وہی کچھ کرتے اور کہتے رہے جو قرآن کریم میں آیا ہے گویا حضور قرآن پاک کی عملی تفسیر تھے۔ آپ ۲۳ سال تک زبان اور عمل کے ذریعہ قرآنِ پاک کے اصول و احکام کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپ خود پاکیزگی مجسم تھے۔ آپؐ کے اعمال انسانی بلندی کا آخری معراج تھے۔ اس کے باوجود حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) زندگی کے آخری ایام میں امتہ مرحومہ کو ایسا پیغام دے گئے جس کو انسانیت کی معراج سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں ڈیڑھ لاکھ صحابہ کبار رضؓ کے سامنے جو خطبہ دیا۔ اگر اسی پر عمل کیا جائے تو دنیا میں فتنہ و فساد اور بد دیانتی کی دبا نمودار نہ ہو اور دنیا بھر کے انسان امن و سلامتی کی زندگی گزار سکیں۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! میں تم پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آیا میں اس سال کے بعد اس مقام پر تم سے مل سکوں گا۔ پس سن لو، تمہارا خون اور تمہارے اموال ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی قابلِ تعظیم ہیں جیسا آج کا دن۔ یہ شہر اور یہ مہینہ قابلِ احترام ہے جس طرح تم فریضۂ حج کی تعظیم کرتے، مکہ مکرمہ

کی تعظیم کرتے ہو اور ذوالحجہ کی تعظیم کرتے ہو۔ اسی طرح ایک دوسرے کے خون اور مال کی تعظیم کرو۔ کسی کا خون مت بہاؤ۔ اور کسی کا حق مت دباؤ۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو، وہ امانت رکھنے والے کو واپس کردے میں جاہلیت کے سود کو ممنوع قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا قابل وصول سود لوگوں کو معاف کرتا ہوں۔ میں جاہلیت کے خون اور اُن کا انتقام ممنوع قرار دیتا ہوں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے قرابت دار عامر بن ربیعہ کا خون معاف کرتا ہوں۔ میں زمانۂ جاہلیت کے تمام مفاخر اور باعثِ غرور معاہدے ممنوع قرار دیتا ہوں، سوائے خانہ کعبہ کی نگرانی اور حاجیوں کی خدمت کے، قتل کا قصاص لیا جائے وہ بھی قتل عمد ہی ہے جو کسی تیز دھار اوزار کے علاوہ لاٹھی یا پتھر سے واقعہ ہو۔ یہ اس خطبہ کا حصہ ہے جو حضور نبی رحمۃ علیہ الصّلوۃ والسّلام نے اپنی زندگی کے آخری حج کے موقعہ پر دیا اور اس میں تاکید فرمائی کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ یہ ارشادات ان لوگوں تک پہنچادیں جو اس موقعہ پر حاضر نہیں اور ان کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔ اس خطبہ میں قتل و خون ریزی، فتنہ و فساد اور انتقام گیری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ناجائز طریقوں سے دوسروں کا مال کھانا حرام قرار دیا گیا ہے، بد دیانتی، جھوٹ، فریب کاری اور بدعہدی سے منع کیا گیا ہے سودی لین دین سے روکا گیا ہے اور ان تمام مفاخر کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن کو انسانی مساوات میں سدِراہ بنایا گیا تھا۔ غور سے دیکھا جائے تو ان چار باتوں میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو معاشرہ میں خرابی فتنہ و فساد اور بُرائی کا باعث بنتی ہیں اور جن کی وجہ سے انسانی شرف و وقار کو دھچکا لگتا ہے یہ اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول ہیں کہ مسلمان فتنہ و فساد کی راہوں سے دور رہے باہمی معاملات میں حق و انصاف کا دامن نہ چھوڑے۔ ایک دوسرے کی امداد و معاونت میں ذاتی مفادات کو بھول جائے اور کبر و غرور کی وجہ سے دوسروں کو حقیر نہ سمجھے۔ ان احکام پر عمل کرنے کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس قدر تلقین فرمائی کہ جب تک تم زندہ ہو ان باتوں کو مت بھولو اور ان پر من و عن عمل کرو جس معاشرہ کو اتنی بلند پایہ تعلیم ورثہ میں ملی ہو اور جن

لوگوں کو انسانی شرف و وقار برقرار رکھنے کی اس قدر تاکید کی گئی ہو۔ اگر وہ سیدھے راستہ سے بھٹک جائیں تو دنیا میں ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی تاکید کی گئی ہے کہ یہ اصول محض تمہاری ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی تبلیغ کرو۔ ان کو دوسروں تک پہنچاؤ، تاکہ سارا انسانی معاشرہ برائیوں سے پاک ہوجائے اور یہ دنیا بھی بنی نوع انسان کے لئے جنّت بنجائے۔

اندھیرا تواریخ پہ چھا رہا تھا
ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
دِرایت کے سورج پہ ابر آ رہا تھا
شہادت کا میدان دُھندلا رہا تھا
سرِ راہ چراغ اک عرب نے جلایا
ہر اک قافلہ نے نشاں جس سے پایا

حضرت انسان رنگارنگ صفات کا مجموعہ ہے ان صفات میں توازن برقرار رکھنا کمال انسانیت ہے اور کسی ایک صفت کی طرف غیر ضروری جھکاؤ دیوانگی، جو انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی۔ وہ معاشرہ کے لئے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ مسلمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حلم و شرافت کا پتلا ہو۔ عفو و درگذر کا مجسمہ ہو۔ عقل و علم کا رسیا ہو، ہمدردی اور غم گساری میں اپنی مثال آپ ہو غرضیکہ اس میں وہ تمام اعلےٰ صفات موجود ہوں جو شرف انسانیت کا زیور ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں غیرت و عظمت، ہمت و جرأت اور عزم و استقلال بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ تمام صفات مرکب نسخہ جات ہیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر سماج اور معاشرہ کی بیماری کو دور کرتے ہیں۔ محض عفو اور درگذر کام نہ کرے تو اس میں قہر و غضب کی چاشنی بھی دینی پڑتی ہے اس لئے یہ سب الٰہی صفات ہیں اور ان کا انسان میں ہونا ضروری ہے لہٰذا جہاں مسلمان کو نرمی اور بردباری کی تعلیم دی گئی ہے وہاں جباری اور قہاری سے بھی کام لینے کی آزادی ہے۔ اگر انسان ایسا نہ کرے تو اس کا زندہ رہنا مشکل بنا دیا جائے گا اور وہ اپنے اعلےٰ مشن کی تکمیل میں کامیاب نہ ہوگا۔

ابتدائی دَور میں مسلمانوں کو گو سخت تکلیفیں دی گئیں اور وہ صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرتے رہے لیکن اُن کے ایمان و ایقان میں فرق نہ آیا، ان کے پائے استقلال کو لغزش نہ ہوئی

اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ہمیں دنیا کی امامت اور رہنمائی کے لئے پیدا کیا گیا ہے انہوں نے ترکِ وطن کا راستہ اختیار کیا تاکہ وہ ظالموں سے دور رہ کر آزادی سے اپنا مشن پورا کریں لیکن انسانیت دشمن لوگوں نے ان کو تلوار کے ذریعہ ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لئے ایک جرار اور جنگ آزمودہ فوج لے کر مدینہ پر چڑھائی کی مسلمان تعداد میں کم تھے وہ غیر مسلح اور نہتے تھے لیکن ان کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ دشمن کی تعداد اور تیاری سے مرعوب ہو کر انسانیت کو ایک عظیم نعمت سے محروم رکھنے کا جرم کریں انہوں نے مدینہ سے نکل کر راستہ ہی میں دشمنوں کو روکا، اور ۳۱۳ مردانِ حُر نے ہزار سے زائد جنگ آزمودہ بہادروں کو شکستِ فاش دی، بہتر(۷۲) سردارانِ قریش ہلاک ہو گئے اور تقریباً اتنے ہی قیدی بنا لئے گئے لیکن مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہ کیا۔ اس لئے کہ ان کا مقصد شر و فساد نہ تھا۔ وہ دفاع کے لئے میدانِ کارزار میں کودے تھے۔ یہ مقصد پورا ہوا تو انہوں نے دشمن کو جانیں بچا کر بھاگنے کا موقعہ دیا۔ الغرض مسلمان صبر و تحمل کے ساتھ دکھ سہتے رہے اور جب ان کو مرعوب کرنے کے لئے یہ خبریں اڑائی جاتی تھیں کہ دشمن جمع ہو رہے ہیں وہ تم پر یکبارگی پڑیں گے تو وہ ہنس دیا کرتے تھے اور یہ خبریں اڑانے والوں کو یقین دلاتے تھے کہ مسلمان بزدل نہیں بلکہ بلند ہمت ہوتا ہے۔ وہ وقت پڑنے پر میدان سے بھاگتا نہیں بلکہ دشمن کو بھگا دیتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان خدا پر بھروسہ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ پودا خدا نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ اس لئے دنیا کی کوئی طاقت اس کو برباد نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں نے دفاعی جنگیں لڑیں لیکن میدانِ جنگ میں کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ اس لئے خدا نے اُن کو یہی حکم دیا ہے کہ جب کسی انسانیت دشمن طاقت سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ جو ایسا کرے گا وہ خدا کی ناراضگی کا مستحق ہو گا۔ ہاں اگر کسی جنگی چال یا دوسرے مجاہدوں کے ساتھ ملنے کے لئے ایسا کیا جائے تو اس میں کوئی ہرج اور مضائقہ نہیں۔ طارق بن زیاد نے اندلس میں اس لئے فوج کے پیچھے پل کٹوا دئیے تھے اور کشتیاں جلا دی تھیں تاکہ کسی کمزور انسان سے کوئی ایسی غلطی سرزد نہ ہو جائے جو اسلامی غیرت اور مسلمان کے عزم و ہمت کو داغدار کر دے

مسلمانوں کی اکثر دفاعی جنگیں اس رنگ میں لڑی گئی ہیں کہ دشمنوں کے مقابلے پر اُن کی تعداد بھی کم تھی اور تیاری بھی۔ اس کے باوجود وہ ہر معرکہ میں کامیاب رہے۔ ہر موقعہ پر قدرت نے ان کی بلند ہمتی کی داد دی اور ان کو کامیابی سے نوازا۔ الغرض مسلمانوں کی شان ہی یہی ہے کہ وہ نہ تو مشکلات سے گھبراتا ہے اور نہ مدِ مقابل کی تیاری اور تعداد کا خیال کرتا ہے۔ اس کو اگر فکر ہوتا ہے تو اپنے مشن کی تکمیل کا۔ وہ موت کے ساتھ کھیلتا ہے اس لئے کہ اس کو سمجھایا گیا ہے کہ بڑے مقاصد کے حصول کے لئے موت سے کھیلنا پڑتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو جسمانی موت سے پہلے ہی حصولِ مقصد کی سعی کے موت سے مرجانا چاہیئے تاکہ اس موت کے عوض اس کو دائمی زندگی مل جائے اور وہ دنیا میں ایک باوقار بلند ہمت اور بلند حوصلہ قوم کی طرح زندگی گذار سکیں۔ قرآنی حکم کہ مرنے سے پہلے مرجاؤ" کا مطلب یہی ہے کہ حصولِ مقصد کے راستہ میں اپنی زندگیوں کی پرداشت کرو اس لئے کہ کبھی جان زندگی ہوتی ہے اور کبھی جان دینا زندگی بنتی ہے۔ ع

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

گل زار ہست و بود نہ بے گانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
آیا ہے تو جہاں میں مثلِ شرار دیکھ
دم دے نہ جائے ہستی ناپائدار دیکھ

۳۳

اسلام صلح و آشتی کا پیغامبر ہے یہ دین فطرت ہے اس لئے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ وہ خدا کی زمین کو شر و فساد سے پاک رکھیں۔ ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جس کی بنیاد صلح و آشتی، اخوت و مساوات، عدل و انصاف اور حق و صداقت پر قائم ہو تاکہ خدا کی یہ مخلوق اطمینان کے ساتھ خدا کی زمین پر زندگی کے دن گزارے اور اُس زندگی کے لئے توشہ اور زادِ راہ جمع کرے جو دائمی اور پائدار ہے، ہماری یہ دنیاوی زندگی اُخروی زندگی کی ایک منزل ہے اگر اس منزل کے مسافر کا وقت شر و فساد کی نذر ہو جائے تو وہ منزل مقصود تک پہنچنے کی تیاری نہیں کر سکے گا۔ اسی لئے حکم ہوا کہ زمین میں فساد نہ کرو۔ اس دنیا کو جھگڑوں اور فسادوں سے بالکل پاک رکھو تاکہ تم اطمینان کے ساتھ زندگی کے دن بھی گذار سکو، خدا کی زمین کو آباد اور آراستہ بھی کر سکو اور آخرت کے لئے توشہ بھی جمع کر سکو۔ حکم ہوا۔ اے انسان! کیا تو غور نہیں کرتا کہ ایک ایک لمحہ تمہیں اس منزل کی طرف لے جا رہا ہے۔ جس کے لئے تمہیں فرصت کی یہ چند گھڑیاں عطا کی گئی ہیں زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر انسان سوجھ بوجھ سے کام نہ لے۔ تو وہ سراسر گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو خدا کے احکام پر چلتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق و صداقت اور صبر کا درس دیتے ہیں۔ انسان حقیقت کو جانتے ہوئے بھی اکثر خود غرضی کا شکار ہو جاتا ہے وہ اپنا حق فائق سمجھتا ہے اور دوسروں کو ظالم اور غاصب اسی

وجہ سے دنیا میں فسادات واقع ہوتے ہیں۔ لیکن بھلے لوگ ایسا نہیں کرتے۔ وہ اپنے اور دوسروں کے حقوق کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ خود غرضی کا شکار نہیں ہوتے۔ اور اگر ان کی حق رسی میں تاخیر ہو جائے تو وہ آپے سے باہر ہو کر کوئی ایسا اقدام نہیں کرتے جس سے معاشرے کے امن کو نقصان پہنچے۔ بلکہ خود بھی صبر سے کام لیتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشرہ کی اصلاح کسی فردِ واحد کی ذمہ داری نہیں بلکہ معاشرہ کو درست رکھنے کا فرض ہم سب پر برابر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی حق و صداقت کی بات سمجھائیں اور ساتھ ساتھ صبر کی تلقین کریں تاکہ ناخوشگوار واقعات کے رونما ہونے کا امکان ہی پیدا نہ ہو۔ جب ہم اسلام کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں تو اس کی مرضی کو ہی مقدم رکھنا چاہیئے۔ اس کا ارشاد ہے کہ خدا فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا اور نہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو زمین اور معاشرہ میں فساد کا بیج بو دیتے ہیں۔

ابتدائی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے انسانیت دشمن اور خود غرض طاقتوں نے مسلمانوں پر حملے کئے۔ اپنے دفاع اور بچاؤ کے لئے مسلمانوں کو ان جارحانہ کارروائیوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن اس میں بھی انہوں نے اعتدال کا دامن نہ چھوڑا۔ مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اگر انسانیت دشمن لوگ فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں تو ان کا اسی حد تک مقابلہ کرو کہ خدا کی زمین فتنہ و فساد سے پاک ہو جائے۔ اگر وہ صلح کے لئے ہاتھ بڑھائیں تو تمہاری تلواریں فوراً نیاموں میں جانی چاہئیں چنانچہ مسلمانوں نے اپنی ہر دفاعی جنگ میں اسی اصول پرستی کا ثبوت دیا۔ فتنہ و فساد صرف جنگ ہی نہیں بلکہ ہر وہ چیز فتنہ و فساد کی ذیل میں آتی ہے جس سے انسانی معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مسلمان ہر اس اقدام سے پرہیز کرے جس سے معاشرہ کے امن و اطمینان میں خلل واقع ہو۔ بندگانِ خدا کو دکھ پہنچے۔ ہاں اگر کوئی تمہیں دکھ دینے پر بضد ہے تو اس کا اسی زبان میں جواب دو جو وہ استعمال کرتا ہے اس لئے کہ جب تک ایسے لوگوں کے غرور کا سر نیچا نہ ہو، وہ فتنہ و فساد سے باز نہیں آتے مسلمان

فتنہ باز یا بزدل نہیں ہوتا بلکہ وہ امن کا خواہش مند اور صاحب عزم ہوتا ہے وہ قیام امن کے لئے کسی اقدام اور کسی قربانی سے گھبراتا نہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مسلمان سیدھا سادہ ہوتا ہے وہ کریم النفس ہوتا ہے۔ بدی کے مقابلہ سے بھاگتا نہیں۔

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

۳۴

حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کے دو چھوٹے سے ٹکڑے ہیں اگر یہ درست رہیں تو سارا جسم درست رہتا ہے یہ گوشت کے ٹکڑے دل اور زبان ہے۔ دل فکر و جذبات کا مرکز ہے اور زبان ان جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ اگر دل اور زبان پر انسان کا کنٹرول ہو تو بہت سی خرابیوں اور برائیوں کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے۔ دل پر کنٹرول کا مقصد یہ ہے کہ گوشت کے اس ٹکڑے کو برے جذبات کے جراثیم سے پاک کیا جائے۔ اور اس میں نیکی کا بیج اس طرح بیجا جائے کہ کبھی برائی کا خیال تک نہ آئے اور زبان کو ہمیشہ صلح و صفائی کی بات کہنے کا خوگر بنایا جائے۔ روزوں کے بارے میں حکم ہے کہ روزہ صرف یہی نہیں کہ انسان کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لے۔ اصل روزہ یہ ہے کہ انسان کا ہر عضو روزہ دار ہونا چاہیئے۔ انسان دل میں برے جذبات نہ آنے دے زبان سے برا نہ کہے، ہاتھوں سے کسی کو دکھ نہ دے، آنکھوں سے برا نہ دیکھے اور پاؤں سے برائی کی طرف نہ چلے جب اس طرح اس کے تمام اعضاء روزہ دار ہوں گے تو وہ لامحالہ متقی بن جائے گا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ ہوں وہ کسی پر ظلم نہ کرے۔ اور کسی کو برا نہ کہے۔ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ سخت ہوتا ہے یہ زخم مشکل سے ہی مندمل ہوتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ تم اپنی نیکیوں اور بھلائیوں کو چھپا کر

ضائع مت کرو۔ کسی سے بھلا کرو تو زبان سے اس طرح اس کی تشہیر نہ کرو کہ وہ بُرا منائے ؎

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو
نہ لائے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیوں ہو

سوسائٹی اور معاشرہ کی بھلائی اور اصلاح کے لئے قرآن کریم کا حکم ہے کہ بُرائی کی تشہیر مت کرو تاکہ دوسرے اس سے متاثر نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ جب تمہیں کسی ایسی بات کا علم ہو جائے' جو ملی مفاد یا ملکی سلامتی کے خلاف ہو تو اس کی تشہیر کرنے کی بجائے متعلقہ ذمہ دار لوگوں سے کہدو تاکہ وہ اس کا سدباب کریں۔ راز زبان سے ہی فاش ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے رازداری رکھنے کی تلقین کی ہے۔ راز کی بات کو امانت قرار دیا گیا ہے جو بالکل اسی حالت میں واپس کی جانی چاہیئے۔ اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں ہونی چاہیئے۔ قرآن کریم میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ تم نیکی کی تبلیغ کرو اور بُرائیوں سے لوگوں کو روکو۔ الغرض انسانی اعضاء میں دل اور زبان کو بہت اہمیت حاصل ہے اگر ان دو چیزوں کو قابو میں رکھا جائے تو معاشرہ بہت سی بُرائیوں سے پاک رہتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے دل اور زبان کو قابو میں رکھنے کی تلقین کی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو گالی نہ دو۔ ایک دوسرے کے نام نہ رکھو۔ طعنے نہ دو، احسان کرکے جتاؤ مت۔ اور جب نیکی کی تبلیغ کرو تو اس میں زشت کلامی کے بجائے دلیل اور منطق سے کام لو جو بات تمہارے نزدیک درست ہو وہ نہایت موزوں الفاظ میں بیان کرو۔ نماز کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ انسان کو بے حیائی اور بُری باتوں سے بچاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک انسان نماز اور خدا کی یاد میں مصروف ہو وہ دوسری باتیں نہیں سوچے گا۔ اور نہ زبان سے کوئی بُرا لفظ نکالے گا۔ اگر اسی تربیت کو دل و دماغ میں راسخ کیا جائے تو انسان بُرا سوچنے اور بُرا کہنے کی بد خصلتوں سے بچ جائے گا۔ گویا نماز بھی فحش کلامی اور بُرائی سے بچانے کے لئے ایک مشق ہے جس کو ہر حال میں مدنظر رکھنا چاہیئے۔ قرآن پاک نے بندۂ مومن کی یہ علامت بتائی ہے کہ جب جاہل لوگ ان سے اُلجھنے کے لئے

یاوہ گوئی کا حربہ استعمال کرتے ہیں گالیاں دیتے ہیں بُرا کہتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر آگے بڑھتے ہیں یعنی وہ بُری بات کا جواب بُرائی سے نہیں دیتے بلکہ ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس سے مدمقابل ٹھنڈا ہو جائے اور وہ اپنے مفسدانہ وطیرہ سے باز رہنے پر مجبور ہو جائے۔ دیکھا آپ نے یہ اسلام ہے امن و سلامتی کا پیغامبر۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی انسان کی رہنمائی کرتا ہے ایسی تمام باتوں سے منع کرتا ہے جو معاشرہ میں خرابی اور فساد کا باعث ہوں۔ اگر ہم زندگی کے اس بلند ترین لائحہ عمل سے سرتابی کرتے ہیں ان احکام پر عمل نہیں کرتے یا وقتی طور پر ان کو فراموش کرتے ہیں اس صورت میں معاشرہ میں بُرائیوں کا سدباب مشکل ہو گا اور جس معاشرہ میں بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اپنی عزت، وقار اور آزادی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ دنیا کی پیشوائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا ہر قدم اخلاقی اقدار کے ماتحت، خدائی قانون کے مطابق اور فطری اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

کسی نے یہ اک مرد دانا سے پوچھا
کہ نعمت ہے دنیا میں سب سے بڑی کیا
کہا عقل جس سے ملے دین و دنیا
کہا گر نہ ہو اس سے انساں کو بہرا
کہا پھر اہم سب سے علم و ہنر ہے
کہ جو باعثِ اِفتخارِ بشر ہے

۳۵

فضائے کائنات گوناگوں چیزوں سے بھری ہوئی ہے اور یہ سب چیزیں قدرت نے انسان، اشرف المخلوقات کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں۔ تاہم فائدہ اٹھانے کے لئے کچھ اصول وضوابط مقرر ہیں۔ اگر ان کو مدِنظر نہ رکھا جائے تو یہی مفید چیزیں ہلاکت اور تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ سنکھیا ہی کو لیجئے۔ اگر اس کو ایک مقررہ قاعدے کے تحت، مقررہ مقدار میں استعمال کیا جائے تو اس سے خون بڑھتا ہے، معدہ کو تقویت ملتی ہے۔ اعصاب میں توانائی آتی ہے لیکن اگر اسی مفید چیز کو بے طریقہ استعمال کیا جائے تو اس کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ یہی حال دوسری چیزوں کا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک نے حکم دیا ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے ہے لیکن استعمال کرتے وقت حلال اور طیب چیزیں ہی استعمال کرو۔ حلال وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہو اور طیب وہ چیزیں ہوتی ہیں جو طبیعت اور مزاج کے موافق ہوں۔ ایک چیز حلال بھی ہو سکتی ہے اور طیب بھی اور ایک چیز حلال تو ہوتی ہے مگر طیب نہیں ہوتی۔ یا طیب تو ہوتی ہے لیکن حلال نہیں۔ اگر اس اصول کو مدِنظر رکھا جائے تو انسان دکھ اور تکلیف سے بچ سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ کھاؤ، پیو، لیکن افراط اور اسراف سے کام نہ لو بلکہ اعتدال کو اپنا شعار بناؤ۔ یہ اعتدال ہر کام میں ضروری ہے تاکہ انسان افراط اور تفریط کے بد انجام سے محفوظ رہے لیکن حضرت انسان کبھی تعیش پسندی کے لئے کبھی حرص و

آز کی وجہ سے کبھی بخیال خود غم غلط کرنے کے لئے اور کبھی دولت کمانے کے لئے ایسے ہتھکنڈے
استعمال کرتا ہے جن کی وجہ سے وہ جادۂ اعتدال سے بھٹک کر دکھ اٹھاتا ہے اس بے راہ
روی سے بچنے کے لئے فرمایا۔ تمہارے لئے ایک فطری اصول مقرر ہے جب تک اس کی پیروی
کروگے فائدے میں رہوگے اور جب ان حدود کو پھاندنا شروع کردگے تو دکھ اٹھاؤ گے
فرمایا۔ شراب، جوا، سٹہ بازی اور شرط بازی ناپاک شیطانی کام ہیں جو تم نے محض اپنی
سفلی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اختیار کی ہیں۔ ایسی ناپاک چیزوں سے کوسوں دور بھاگنا
چاہیئے۔ گو ان باتوں میں بظاہر مفاد یا تمہاری یا تمہاری سفلی خواہشات کی تکمیل نظر آتی ہے
لیکن درحقیقت یہ چیزیں تمہارے اخلاق کو ہی نہیں بلکہ جسمانی قوتوں کو بھی مفلوج کر دیتی ہیں
یہی حال بھنگ، چرس، گانجے، افیون اور دوسری منشیات کا ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ سگرٹ،
پان، سگار اور اس نوعیت کی دوسری چیزیں بھی اسی زمرہ میں آتی ہیں۔ کیونکہ ان چیزوں سے
دولت کے ضیاع، اعضا کے اضمحلال اور بیماری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ لہٰذا ایسی حرکتوں سے
دور رہنا چاہیئے۔ شراب کے متعلق تو خصوصیت سے کہا گیا کہ گو بظاہر اس میں کچھ فائدہ بھی نظر
آتا ہے لیکن وہ فوائد اس کی مضرتوں کے پاسنگ بھی نہیں ہوتے۔ اس قسم کے غیر فطری لوازمات کا
روگ لگا کر انسان اخلاقی قوتوں سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور جسمانی طاقتوں سے بھی ہمیں ان
معاملات میں بزرگان دین کی سادہ زندگی کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ وہ ان بدعتوں سے دُور
رہتے تھے جس کی وجہ سے ان کی عمریں آرام اور اطمینان کے ساتھ گزرتی تھیں۔ اسی زمرہ میں
سودی لین دین بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ناجائز دولت کمانے کا ایک نشہ ہے جس سے
خاندانوں کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس خدا فرماتا ہے کہ جو شخص خدا کی خوشنودی
کے لئے اپنے بھائی کو قرض حسنہ دیتا ہے۔ اس سے اس کے بھائی کو بھی سہارا ملتا ہے اور خدا
اس کی دولت میں بھی برکت دیتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت عمر رض اور حضرت عثمان رض تجارت
کرتے تھے اس میں نفع اندوزی اور سود خواری کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ اپنے

دور کے مالدار ترین لوگ شمار ہوتے تھے۔ اس قسم کی چیزوں سے انسان کے دل میں بے مروتی اور سختی آجاتی ہے دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور رفاقت کا احساس جاتا رہتا ہے انسان خود غرض، خود بین اور خود خواہ بن جاتا ہے جس سے انسانی معاشرہ کا حسن جاتا رہتا ہے اسی لئے مسلمان کو ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو انسان کے دل سے جذبۂ انسانیت مٹا دیں۔ اور اس کو حیوانوں کے زمرہ میں لا کھڑا کریں۔ اسلام دولت کمانے سے منع نہیں کرتا ہاں اتنی تاکید ضرور کرتا ہے کہ تمہاری دولت کمانے کی خواہش دوسروں کے لئے آزار کا باعث نہ بنے اس لئے کہ تم رب العالمین کے بندے ہو جس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک حد بھی مقرر ہے جو اس حد کو توڑتا ہے۔ وہ مجرم بھی ہے اور اسلامی معاشرہ کا دشمن بھی۔

بہت خوانِ بے اِنتہا تم نے کھائے
بہت بوجھ بندھ گے تم نے اُٹھائے
بہت ساز پر آس کی راگ گائے
بہت عارضی جلوے تم نے دکھلائے
بس اب اپنی گردن پہ رکھو جوا تم
کرو حاجتیں آپ اپنی روا تم

اپنی وراثت پر ہر شخص کو پورا پورا اختیار ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو اسے ترقی دے کر بامِ عروج پر پہنچائے اور چاہے تو اسے برباد کر کے دوسروں کا دستِ نگر اور محتاج بن جائے لیکن عقل و خرد کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی وراثت کو اپنا جان کر اس کو ترقی دی جائے اور دنیا میں نام حاصل کیا جائے۔ خاص تہذیب و تمدن۔ روایات اور قومی طرزِ حیات قوموں کی اپنی میراث ہے۔ ہر مہذب قوم کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس میراث کی حفاظت کر کے اُسے ترقی دے کر اقوامِ عالم میں ایک منفرد مقام حاصل کرے۔ جن قوموں میں یہ جذبہ اور شوق نہ ہو وہ اپنی میراث کو ضائع کر کے دوسری قوموں میں گم ہو جاتی ہیں اور وہاں کوئی امتیازی مقام حاصل نہیں کر سکتیں۔ اِسی حکمت کو پیشِ نظر رکھ کر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی تہذیب و تمدن، قومی روایات اور طرزِ حیات کو فراموش کر کے دوسروں کی نقالی کرتے ہیں وہ ان ہی میں کھو جاتے ہیں اور پھر ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک آفاقی نظریہ حیات ہے جس کی اپنی ممتاز خصوصیات ہیں اپنی ایک جداگانہ تہذیب ہے۔ اپنی روایات ہیں۔ اپنی تاریخ ہے اور اپنا ایک طرزِ حیات ہے۔ مسلمان جس ملک میں گئے وہاں کے لوگوں کو اپنی تہذیب، اپنی روایات اور اپنے طرزِ زندگی کا گرویدہ بنایا اور خود ایک ممتاز اور منفرد حیثیت سے زندگی بسر کرتے رہے۔ اسی امتیاز اور انفرادیت

نے مسلمانوں کو وہ عروج بخشا کہ دنیا عش عش کر اٹھی اور وہ ایک زندہ و پائندہ قوم کی طرح جیتے رہے لیکن جہاں انہوں نے اپنی تہذیب، اپنی روایات، اپنی تاریخ اور اپنے طرزِ زندگی کو فراموش کیا۔ ان کی انفرادیت بھی ختم ہوگئی۔ یہی حشر دنیا میں ان تمام قوموں کا ہوتا ہے جو اپنی انفرادیت اور اپنی امتیازی شان کو بھول جاتے ہیں۔ نقالی بندروں کا خاصہ ہے۔ انسانوں کا نہیں قرآن کریم میں ایسی قوموں کا ذکر موجود ہے جنہوں نے اپنی اصلیت کو فراموش کیا اور دوسروں میں مل کر ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئیں۔ خدا کہتا ہے کہ ان قوموں کی اس غلط روش کی وجہ سے ہم نے اُن کو کہدیا کہ تم بندر رہو۔ چنانچہ وہ اسی نقالی میں ختم ہوگئے اور اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے ہی نہیں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے باعث عبرت بن گئے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کا تذکرہ اس لئے آیا ہے کہ مسلمان ایسی غلطی کا ارتکاب کر کے اپنی صلاحیت کو نہ کھو بیٹھیں۔ اسلام ایک وسیع المشرب مذہب ہے وہ اپنے پیروؤں کو کنوئیں کا مینڈک نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ ان کو ہدایت دیتا ہے کہ تمہیں جہاں کوئی اچھی چیز ملے اس کو اپناؤ۔ لیکن یہ جان کر کہ علم و حکمت کے یہ موتی دراصل تمہاری اپنی گم شدہ جائداد ہے۔ لہٰذا اس کو حاصل کر کے اپنے قبضہ میں لو۔ اس کو اپنا ہمرنگ بناؤ۔ اس کے ہمرنگ مت بن جاؤ۔ اس لئے کہ مسلمان کے لئے خالقِ کائنات کا رنگ مخصوص کیا گیا ہے اور اس کو حکم دیا گیا ہے کہ تم خدا کے رنگ میں رنگنے جاؤ کیونکہ یہی ابدی اور ازلی رنگ ہے۔ باقی سارے رنگ کھوٹے ہیں۔ جو آخر کار ماند پڑ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب دوسری قومیں اس طرزِ حیات میں زندہ ہیں تو ہم کیوں زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر یورپ شراب و کباب، فسق و فجور عُریانی و بے حیائی کے باوجود ترقی کر رہا ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ گندی نالی کا کیڑا گندے پانی میں ہی پرورش پاتا ہے۔ اگر اس کو صاف پانی میں چھوڑ دیا جائے تو وہ سسک سسک کر مر جائے گا۔ اسی طرح صاف پانی میں پلنے والا کیڑا صاف پانی میں ہی پرورش پاتا ہے اگر اس کو گندے پانی میں چھوڑ دیا جائے تو وہ دم گھٹ کر مر جائے گا مسلمان ایک صاف اور پاکیزہ ماحول کی مخلوق ہیں یہ اسی ماحول میں زندہ رہ سکتے ہیں اور پنپ

سکتے ہیں ان کے لئے وہ ماحول موزوں نہیں جس نے خود ان مہذب کہلوانے والی قوموں کی زندگی کو اجیرن کر دیا ہے لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کا نقال نہیں بننا چاہیئے بلکہ اس کو شہد کی مکھی کی طرح ہر تہذیب سے وہ جوہر اصل حاصل کرنا چاہیئے جو اسلام کی روح رواں ہے جس کے متعلق قرآن خود کہتا ہے کہ اس لائحہ عمل میں تمام نئی اور پرانی سچائیوں کو جمع کیا گیا ہے۔ اگر تم کسی سچائی کو فراموش کر بیٹھے ہو یا وقتی طور پر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ اس کو حاصل کر کے اپنی میراث میں شامل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اعتراض تو اس میں ہے کہ دوسری قوموں کی بُرائیوں کوتاہیوں اور کمزوریوں کو اپنایا جائے اور اس پر فخر کیا جائے۔ عریانی اور بے حیائی سینے سے لگا کر فخر کیا جائے کہ ہم نے متاع زندگی حاصل کر لیا۔ ایسا کرنے والے لوگ نہ تو عزت حاصل کرتے ہیں اور نہ دنیا میں ان کی انفرادیت قائم رہتی ہے۔

دِگرگوں جہاں ان کے زورِ عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے
منجّم کی تقویم فردا ہے باطل
گرے آسماں سے پُرانے تارے

۳۷

ایک دوسرے سے ملنا۔ ایک دوسرے کے پاس جانا۔ ایک دوسرے کے پاس سے گزرنا مجلسوں میں بیٹھنا۔ معاشری زندگی کے لوازمات ہیں۔ مسلمان کے لئے یہ لوازمات اس لئے بھی ضروری ہیں کہ ان کو بھائی بھائی بھی کہا ہے اور ان کو دنیا کا معلّم اخلاق بھی قرار دیا گیا ہے زندگی کے ان ناگزیر لوازمات کے کچھ آداب ہوتے ہیں اگر ان کو مدِنظر نہ رکھا جائے تو انسان بدتہذیب کہلاتا ہے۔ اسلام نے جس طرح ان لوازمات کے لئے آداب مقرّر کئے ہیں ان کو دیکھ کر بے اختیار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسلام دنیا میں اخلاق کا بلند ترین معیار قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ دو دوست، دو ساتھی، دو عزیز، دو رشتہ دار، ایک بزرگ اور ایک برخوردار جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اُن کو حکم ہے کہ السّلام علیکم کہہ کر ملیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کریں۔ تاکہ دلوں کی محبّت میں جوش اور ولولہ پیدا ہو۔ سلام اور مصافحہ میں بھی مساوات اور عزّتِ نفس کا خیال رکھا گیا ہے۔ ایک سلامتی کی دعا دیتا ہے دوسرا دلیا ہی یا اس سے بہتر جواب دیتا ہے۔ مصافحہ میں تحقیر اور تذلیل کی کیفیت نہیں ہوتی دائیں ہاتھ کے ساتھ داہنا ہاتھ ملایا جاتا ہے یا دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جاتا ہے یہ بظاہر معمولی باتیں نظر آتی ہیں لیکن ان میں بھی حکمت کے دریا بہائے گئے ہیں۔ پھر حکم ہوا کہ چلنے والا بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کہے۔ سوار پیدل چلنے والے کو السّلام علیکم کہے تاکہ اس کے دل میں یہ غرور پیدا نہ ہو

کہ یہ ان سے بہتر پوزیشن میں ہوں۔ کسی کے گھر پر ملنا ہو۔ اس کے لئے حکم ہے کہ پہلے اجازت لو دروازے پر دستک دو۔ زور سے السّلام علیکم کہو۔ پھر اگر اجازت ملے تو اندر جاؤ نہیں تو واپس چلے جاؤ۔ ایسے وقت میں کسی کے پاس مت جاؤ۔ جب لوگ آرام میں مصروف ہوں، گھر میں بچوں اور جوانوں اور بوڑھوں کو حکم دیا کہ وہ مخصوص اوقات میں ایک دوسرے کی آرام گاہ میں نہ جائیں کوئی مکان خالی ہو تو اس میں گھسنے کی کوشش مت کرو۔ ہاں اگر مکان ہوٹل یا سرائے قسم کا ہو اور وہاں تمہارا سامان پڑا ہوا ہو وہ لینے کے لئے جا سکتے ہو۔ دعوت پر جاؤ تو کھا پی کر اجازت لو اور واپس چلے جاؤ۔ فضول باتوں میں گھر والوں کا وقت ضائع مت کرو، چلنا ہو تو راستے کے ایک طرف چلو تاکہ باقی لوگوں کو دقت نہ ہو۔ ایک دوسرے کو دھکّے دے کر آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ مجلس میں جاؤ تو اس جگہ بیٹھو جہاں آسانی سے جگہ ملے۔ لوگوں کے سروں پر سے پھلانگ پھلانگ کر آگے بیٹھنے کی کوشش مت کرو۔ کسی بزرگ کے ساتھ چل رہے ہو تو اس کے پیچھے پیچھے دائیں جانب چلو۔ راستے میں چلتے ہوئے تمہاری نظریں نیچی ہوں۔ جھانک تانک بدتمیزی کی علامت ہے کسی کو بُلانا ہو تو چلّا چلّا کر مت بلاؤ۔ بات حلم اور آہستگی سے کرو۔ راستہ میں کوئی رکاوٹ یا مضر چیز پڑی ہو وہ ہٹا دو۔ تاکہ چلنے پھرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ راستوں اور بیٹھنے کی جگہوں پر گندگی اور مضر چیزیں مت پھینکو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ راستے سے کانٹا ہٹانا بھی کارِ ثواب ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کے پاؤں میں چبھ جائے۔ مجلس میں بیٹھو تو عزت اور وقار کے ساتھ بیٹھو۔ کسی کو تمہاری بیٹھک پر اعتراض نہ ہو۔ پاکیزگی کو اپنا شعار بناؤ۔ یہاں تک کہ کچّا لہسن اور پیاز کھا کر کسی مجلس میں مت جاؤ۔ مبادا کسی کو اس کی بو سے تکلیف ہو۔ کسی مجلس یا جلسہ میں جانا ہو تو نہا دھو کر بلکہ مقدور ہو تو خوشبو لگا کر جاؤ۔ ایسی کوئی حرکت مت کرو جس سے دوسروں کو کراہت ہو غصہ آئے تو اس کو پی جاؤ۔ غصّے میں اول فول بکنے اور فحش کلامی سے احتراز کرو۔ بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آؤ۔ بڑے چھوٹے کا لحاظ رکھو۔ ماں، باپ اور اُستاد

کی خصوصیت کے ساتھ قدر کرو۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں آئیں تو آپ کھڑے ہوئے۔ اپنے کندھے سے چادر اُتار کر بچھادی اور اس پر ان کو بٹھا دیا۔ مہمان کو خدا کی رحمت سمجھو اور اس کی خدمت اور خبرگیری کرو۔ دو آدمی جھگڑ رہے ہوں ان میں صلح کراؤ۔ خود کسی سے تین دن سے زیادہ بول چال بند نہ رکھو کسی نے امانت رکھی ہو، وہ وقت پر ادا کرو۔ اگر تمہارے پاس یتیموں کا مال ہو۔ اس کو تبدیل مت کرو۔ اپنے گھروالوں کے ساتھ حسن سلوک کرو جو بھی ملے اس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ دوسروں کے معاملات میں خواہ مخواہ ٹانگ اڑانے کی کوشش مت کرو۔ الغرض اسلام نے معاشری زندگی کی ہر حرکت اور سکون کے لئے ایسے احکام دیئے ہیں جو بظاہر بالکل سادہ اور آسان ہیں جن پر عمل کرنا کسی کے لئے مشکل پانا ممکن نہیں۔ اس کے باوجود یہ احکام اتنے اعلےٰ پایہ کے ہیں کہ اُن پر مزید اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اِن احکام پر عمل کرنے سے انسان کا وقار بلند ہو جاتا ہے کہ یہ انسان سچ مچ اشرف المخلوقات ہے۔ لہٰذا ہمیں یقین کے ساتھ اسلام کے چھوٹے سے چھوٹے حکم پر بھی عمل کرنا چاہیئے تاکہ دنیا میں ہمارا وقار بلند ہو اور ہم فخر کے ساتھ سر اُونچا کرکے کہہ سکیں کہ ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں۔

رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
ہر چند کہ مشہور ہیں ان کی کرامات
خودگیری و خودداری و گلبانگ انا الحق
آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات

(۳۹)

اقوام یورپ نے معاشرہ کے جن جن شعبوں میں اسلامی اصول کو اپنایا۔ ان میں وہ مطمئن بھی ہیں اور ان کا طریق کار قابلِ تحسین بھی ہے لیکن معاشرت کے جن شعبوں میں ان لوگوں نے بے راہ روی اختیار کی اور اسلامی اصولوں کو طنز و مزاح کا ہدف بنایا وہاں ان لوگوں کی زندگی جہنم کا نمونہ بن چکی ہے جس سے یہ لوگ خود بھی پریشان ہیں۔ مثلاً حسنِ اخلاق، انسانی ہمدردی۔ تجارتی دیانت، قانون کی پابندی وغیرہ شعبوں میں ان لوگوں کی زندگی یقیناً قابلِ رشک ہے لیکن ان کی عائلی زندگی نے ایک ایسا رُخ اختیار کیا ہے جس نے ان لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ مثلاً شراب نوشی، عریانی، فحاشی، حقوق زوجیت سے بے التفاتی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے ان کے معاشرے میں بہت سی بُرائیوں کو پنپنے کا موقع ملا ہے اور وہ بُرائیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ان ممالک کے لوگوں کی عائلی زندگی خود ان کے لئے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ بن چکی ہیں اور ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کی تہ تک جانے کے بجائے ان لوگوں کی اسی زندگی کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جو خود ان کے لئے وبالِ جان بنی ہوئی ہے اور ان باتوں کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے جو ہماری ملّی میراث ہیں اور ان سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ غیر مطمئن عائلی زندگی کی ان ہی

قباحتوں نے یورپ کے اکثر ملکوں میں عریانی، فحاشی اور نائٹ کلبوں کو جنم دیا تاکہ وہ لوگ اپنی اس غیر مطمئن عائلی زندگی سے نجات حاصل کر سکیں لیکن اس سے بے اطمینانی میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوا جس کے نتیجہ کے طور پر ایک نئی وبا ہیپی ازم عام ہو گئی۔ اب ان ممالک کے غیر مطمئن نوجوان لڑکے اور لڑکیاں منشیات کے ذریعہ اپنی بے اطمینان زندگی کا مداوا تلاش کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں گھربار چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ جہاں ان کی بیماری میں کمی ہونے کی بجائے اور اضافہ ہو رہا ہے اور یہ لوگ غیر اخلاقی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلتے نظر آتے ہیں۔ پاکستان کو بھی ان لوگوں سے وافر حصہ ملا ہے۔ ہمارے اوباش اور نقال نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اِس بیماری سے بُری طرح متاثر ہوئے ہیں اور وہ ان لوگوں کی نقالی میں فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔ وہ بھی ان ہی کی طرح گھربار چھوڑ کر آوارہ گردی کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں شاید اس وجہ سے کہ ان کو اس بات کا علم نہیں کہ اسلام ایسی زندگی سے منع کرتا ہے وہ اپنے ہر ماننے والے کو ایک فعال، پُر اطمینان اور قابلِ رشک زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے وہ بے کار فقیری میں زندگی بسر کرنے سے منع کرتا ہے۔ آوارہ گردی اور مانگے تانگے کے ٹکڑوں پر زندگی گزارنے کو ذلت اور رسوائی سے تعبیر کرتا ہے۔ دینے والے ہاتھ کو لینے والے ہاتھ پر ترجیح دیتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ جو لوگ اپنی خداداد صلاحیتوں کو مخلوق خدا کی بھلائی اور بہتری میں صرف کرتے ہیں وہی قابلِ احترام ہیں۔ ان ہی پر انسانیت ناز کرتی ہے حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص اس قسم کی بُرائیوں میں دوسروں کی نقالی کرتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں۔ اس کا اسلام کے پاکیزہ نام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اتنی واضح ہدایات کی موجودگی میں اگر ہم غیر قوموں کی بُرائیوں کو اپناتے ہیں تو دراصل اس زندگی سے فرار کے راستے اختیار کرتے ہیں جس نے ان کے ملکوں اور قوموں میں عائلی زندگی کے توازن کو درہم برہم کر دیا ہے۔ ملتِ اسلامیہ میں یہ چیزیں موجود نہیں وہاں عائلی زندگی کو اس

خوبی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کہ اس پر جلد یا بدیر دنیا فخر کر سکتی ہے۔ اسلام نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان میں بے راہ روی پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ اُن کو فحاشی، عریانی، بدکاری اور نائٹ کلبوں کے ذریعہ اطمینان حاصل کرنے کی ضرورت ہی پیش آسکتی ہے نہ اُن کو منشیات اور ہیپی ازم کے ذریعہ اپنے دکھوں کا علاج حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے صنف نازک کی قدر و منزلت کو زمین سے اُٹھا کر آسمان تک پہنچایا۔ تاہم ساتھ ہی مرد اور عورت کے مدارج، فرائض اور مقام و مرتبہ کی بھی وضاحت کی۔ ہر ایک کے فرائض مقرر کئے اور ان فرائض میں فطری اعتدال کو بنیاد بنا کر زندگی کو عائلی بے راہ روی کی الجھنوں سے پاک کر دیا۔ اس کے باوجود اگر ہم دوسروں کی دیکھا دیکھی اس انسانی مقام سے نیچے گرنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں ہر ذی شعور انسان فخر محسوس کرتا ہے تو اس سے سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ خدائے تبارک و تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ بدیوں کا مقابلہ نیکیوں سے کرو۔ اگر ہیپی ہمارے ملک میں آتے ہیں۔ ہماری ملی زندگی میں زہر گھولنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارا مقام یہ ہے کہ ہم ان کی زندگی کو سدھاریں۔ ان کو راہ راست پر لگائیں۔ اُن کو ایسی زندگی گزارنے کی ترغیب دیں جو انسانیت کے لئے باعثِ فخر و مباہات ہو، نہ یہ کہ خود اس دلدل میں پھنس کر اپنی ملکی، ملی اور عائلی زندگی کو تباہ کریں پس ہمارے نوجوان بچوں اور بچیوں کو یہ احساس کرنا چاہیئے کہ ان کو قدرت نے ایک بلند مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کو دنیا کی امامت اور رہنمائی کے لئے ایک واضح لائحہ عمل دیا ہے۔ اگر ہم اس لائحہ عمل سے سرتابی کرتے ہیں نقالی اور بے راہ روی کو اپنا پیشہ بناتے ہیں تو ہم سے یہ مقام اور مرتبہ چھین لیا جائے گا۔ خدا کسی اور قوم کو دنیا کی راہنمائی کا کام سونپ دے گا۔ اور ہم اپنی زندگی کے مقصد سے محروم ہو جائیں گے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے اس طرح گمراہی کے راستے اختیار کئے وہ مٹ گئیں۔ دنیا میں ان کا نام و نشان نہ رہا۔ اور وہ شرفِ انسانیت سے محروم ہو گئیں اسلام سادہ، پاکیزہ، پُر وقار، فعال اور دنیا کے کام آنے والی زندگی گذارنے کی تلقین کرتا ہے۔ نہ کہ

ایسی زندگی سے لگاؤ پیدا کرنے کو کہتا ہے کہ جو بداعتدالی کا مرقع ہو جو نہ اپنے لئے ہو اور نہ دوسروں کے لئے۔ جس کا مقصد زندگی کے اعلیٰ مدارج سے فرار ہو ہیپی ازم اور برائیوں میں سرودوں کی نقالی تلی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ لہٰذا ہمیں ایسی زندگی سے دُور بھاگنا چاہیئے۔ خدا کا ارشاد ہے کہ خدا نے انسان کو بہترین اعتدال کی زندگی گزارنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہی زندگی انسانیت کا زیور ہے اور یہی اپنانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ
دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

(۳۹)

قدرت نے اس دنیا میں اپنے بندوں کے لئے رنگا رنگ نعمتیں پیدا کی ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے لئے کچھ قیود بھی رکھی ہیں کہ اگر اس نعمت کو اس رنگ میں استعمال کیا جائے تو اس سے فائدہ ہو گا اور اگر غلط رنگ میں استعمال کیا جائے تو اس سے فائدے کے بجائے نقصان ہو گا۔ ساتھ ہی ایک عام اصول بھی بتلایا کہ اگر تم خدا کی نعمتوں کی قدر کرو گے تو وہ بڑھتی رہیں گی اور اگر بے قدری کرو گے تو وہ نعمتیں تم سے چھین لی جائیں گی۔ انسانی آزادی قدرت کی سب سے بڑی نعمت ہے جس کی موجودگی میں انسان اپنے جائز اختیارات کو اپنی خواہش کے ماتحت استعمال کرتا ہے لیکن اس عظیم نعمت کے ساتھ سب سے زیادہ قیود لگائی گئی ہیں کہ آزادی کو مادر پدر آزادی سمجھ کر اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آزادی کی نعمت تم سے چھین لی جائے گی اور تمہیں محکوم غیر ہو کر اپنے جائز اختیارات سے محروم ہونا پڑے گا۔

آزادی کی نعمت دنیا میں اسلام کے ساتھ ہی آئی۔ اسلام سے پہلے آمریت اور شخصی راج کا دور دورہ تھا۔ غلامی کی لعنت قوموں پر مسلط تھی۔ شخص واحد انسانوں کو بھیڑ بکری جان کر ان کو فروخت بھی کرتا تھا۔ ان سے اپنے آپ کو سجدے بھی کراتا تھا۔ اُن پر اپنی مرضی ٹھوس دیتا تھا۔ اُن کی محنت اور قویٰ کا استحصال کرتا تھا۔ اپنے عیش و عشرت کے لئے ان کو

تنگی اور عُسرت میں رکھتا تھا۔ اسلام نے ان سب لعنتوں کو ختم کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ: اس زمین اور آسمان پر خدائے واحد کی حکومت ہے۔ حضرتِ انسان اشرف المخلوقات۔ زمین میں اس کا جانشین ہے اسی مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے لا الہ الا اللہ کا غیر فانی ماٹو مقرر کیا گیا کہ تمام انسان مساوی حقوق رکھتے ہیں وہ خدا کی نعمتوں میں برابر کے شریک ہیں اور ان کو اِن نعمتوں کے استعمال کا جائز حق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر نعمت کے استعمال کے لئے شرائط و قیود عاید کی گئیں کہ اِن نعمتوں کو اس طرح استعمال کیا جائے۔ انسان کو مختلف قویٰ اور مختلف صفات عطا کی گئیں اور ان قویٰ کے استعمال کے لئے قوائد مقرر کئے گئے۔ مثلاً انسان کو قوتِ گویائی دی گئی۔ ساتھ ہی حکم ہوا کہ اس قوت کو شیریں کلامی کے ساتھ استعمال کرو۔ اگر کسی پر احسان کرو تو بعد میں جتایا نہ کرو۔ لوگوں کی تحقیر نہ کرو، ٹکے نام نہ دھرو، بدزبانی نہ کرو کسی کے ساتھ بدکلامی سے پیش نہ آؤ۔ جھوٹ اور نفاق سے باز رہو۔ بات کرو تو دلیل اور منطق کے ساتھ کرو۔ انسان کو طاقت عطا کی گئی ہے تو ساتھ ہی کہا گیا کہ طاقت کا بے جا استعمال نہ کرو بلکہ اپنی قوت کمزوروں کی اعانت اور معاونت میں صرف کرو۔ اپنی اور انسانیت کی بھلائی کے لئے صرف کرو۔ اس طاقت سے کمزوروں کی معاونت کرو۔ اور ظالموں کے ہاتھ روک دو لیکن خدا کی زمین میں فساد مت پھیلاؤ، قتل و غارت گری کی رسمیں مت ڈالو۔ توڑ پھوڑ کے ذریعہ اپنی یا غیروں کی جائدادوں کو تباہ مت کرو۔ انسان کو عقل عطا کی۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ خدا کی مصنوعات میں غور و فکر کی عادت ڈالو۔ ان کو بڑھا وا دے کر مفید خلائق بناؤ۔ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرو بدی سے روکو سلسی کوئی حرکت مت کرو جو لغو اور بے سود ہو۔ غرضیکہ انسان کے تمام قویٰ پر پابندی لگادی۔ اب اگر کوئی آزادی کے نام پر ان شرائط و قیود کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ درحقیقت آزادی کی نعمت کا غلط استعمال کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خدا کی یہ نعمت چھن جانے کا اندیشہ ہے جو قومیں آزادی حاصل کرنے کے بعد پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑی گئیں۔ اگر اُن کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس کے اسباب یہی ہوں گے کہ اُن

لوگوں نے آزادی کا غلط مفہوم لیا اور اس نعمت سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے آزادی کی نعمت چھین لی گئی اور وہ دوبارہ غلامی کی دلدل میں پھنس کر اپنے اختیار سے محروم ہوگئے۔

والدین کے گھر میں انسان کو پوری آزادی حاصل ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوتا ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کرو۔ گھر کی تمام چیزوں کی قدر کرو۔ ان کو نقصان سے بچاؤ۔ گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اگر کوئی جائز شکایت ہو۔ اس کو متعلقہ ہستی تک پہنچاؤ تاکہ وہ اس کا ازالہ کرے۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں مت لو۔ اس لئے کہ قانون کے استعمال کا حق قانون کے محافظوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر ہر شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے تو نظام آزادی درہم برہم ہوکر رہے گا اور وہ چیز باقی نہیں رہے گی جس کو آزادی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے بجائے نظامِ زندگی میں طوائف الملوکی اور گھر گھر راج کی وبا پھیل جائے گی جو آزادی کی نعمت کو ختم کردے گی۔ جب کوئی شخص کسی تنظیم میں شامل ہوتا ہے ضروری ہے کہ وہ اس تنظیم کے قواعد و ضوابط کو ملحوظ رکھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ تنظیم کے فوائد سے محروم ہو جائے گا۔ یہی اصول آزادی کا ہے آزادی کے حق میں اپنے آپ کو شائستہ اور معاشرہ کا مفید فرد بنانا، جو شخص معاشرہ میں شائستگی اور اپنی افادیت کھو دیتا ہے وہ یا تو معاشرتی مفادات سے محروم ہو جاتا ہے۔ یا ان مفاد کے لئے نااہل قرار دے کر الگ کیا جاتا ہے۔

اسلام نے انسانی حقوق اور انسانی اقدار کو سب سے اونچا مقام دیا ہے اور ساتھ ہی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے شرائط و قیود مقرر کی ہیں اگر کوئی شخص ان شرائط و قیود سے سرتابی کرتا ہے اُس کو اسلام کے دائرے سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر اپنے نفس اور اپنے اعمال کا محاسبہ نہیں کرتا تو وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا یہی کلیہ آزادی پر بھی صادق آتا ہے آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے لیکن اسکی شرائط و قیود کا پورا پورا خیال رکھنا بھی آزادی کا لازمی حصہ ہے جو شخص ان قیود و شرائط پر کاربند نہیں وہ آزادی کے مفہوم سے ہی ناآشنا ہے اور ناآشنا لوگ اس نعمت سے محروم کئے جاتے ہیں۔

۴۰

پرانی کہاوت ہے۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز، کبوتر با کبوتر باز با باز۔ عام طور پر اس باہمی دوستی اور اتحاد کا باعث مفادات بھی ہوتے ہیں مشترکہ مفادات رکھنے والے لوگ آپس میں مِل بیٹھتے ہیں تاکہ وہ ان مفادات سے دوسروں کو محروم رکھیں یا عدل وانصاف اور حق وصداقت کی بالادستی کو روکدیں۔ پہلے زمانے میں اس اتحاد کی بنیاد زیادہ تر عصبانی نسلی اور لسانی بنیادوں پر ہوتی تھی جبکہ موجودہ زمانہ میں یہ اکٹھ عموماً طبقاتی اور سیاسی مفادات کو برقرار رکھنے کے لئے معرضِ وجود میں آتا ہے جب کوئی تحریک اِن ناجائز مفادات کے خلاف شروع ہو جاتی ہے تو اس کو روکنے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے جھوٹے حربے اور فریب کارانہ چال استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسلام کے ظہور سے پہلے اس قسم کی اجارہ داریاں عام تھیں کہیں بتوں کی خدائی کے اڈے قائم کئے گئے تھے اور ایک طبقہ اس تجارت پر پلتا تھا کہیں نسلی، علاقائی اور لسانی اجارہ داریاں تھیں جن کو سردار چلاتے تھے اور اس طرح اپنی برتری قائم کرتے تھے۔ انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بیچا جاتا تھا۔ غریبوں اور کمزوروں کو ظلم وتعدی کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور مخالف تحریکوں کو بنوک سنگین دبا دیا جاتا تھا۔ اسلام انسانیت پر اس قسم کے مظالم روکنے اور انسانی معاشرے کو پاک کرنے کے لئے آیا، مفاد خصوصی رکھنے والے طبقات نے اس کو اپنے خلاف تحریک خیال کیا۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے صف بستہ ہو گئے۔ اسلامی تعلیم اور اصولوں کے خلاف جھوٹ کے طومار کھڑے کئے

گئے۔ غریب اور کمزور مسلمانوں کو انسانیت سوز مظالم کا شکار بنایا گیا۔ لیکن وہ اپنے اصول پر قائم رہے۔ اور جب اُن کی زندگی اجیرن کردی گئی وہ ترکِ وطن پر مجبور ہوگئے۔ کچھ حبشہ کی طرف بھاگے، کچھ مدینہ منورہ کی طرف، ان ظالم اور بددیانت مفادِ خصوصی رکھنے والوں نے وہاں بھی مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ حبشہ کے بادشاہ کو کہا گیا کہ یہ لوگ ایک نئے دین کی تبلیغ کرتے ہیں جو پُرانی روایات کے خلاف ہے۔ جب حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کے وفد سے اسلامی تعلیمات معلوم کیں تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ اِن تعلیمات سے انسانیت کا بول بالا ہوگا اور ظلم و بے انصافی کے بت پاش پاش ہوں گے۔ سردارانِ مکّہ نے ایک جھوٹی افواہ اڑا کر مدینہ کے مہاجر مسلمانوں پر چڑھائی کی تاکہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن قدرت کو ظلم و استبداد کا خاتمہ اور انسانیت کا فروغ منظور تھا۔ روسارِ مکّہ کو اپنی بھاری جمعیت کے باوجود مٹھی بھر کمزور بے سلاح مسلمانوں سے شکست فاش کھانا پڑی جس کی وجہ سے وہ اور بھی بپھر گئے اور مسلمانوں پر بار بار حملے کرتے رہے اور ہزیمت اٹھاتے گئے۔ جب مسلمانوں نے فتح مکّہ کا اعلان کیا تو یہ انسانیت دشمن لوگ روپوش ہوگئے یا مکّہ سے بھاگ گئے لیکن مسلمانوں نے ان کے ظلم و استبداد سے درگذر کیا۔ عام معافی کا اعلان کر دیا گیا اور خدائے بزرگ و برتر نے اس پاک جماعت کو حکم دیا کہ خبردار! کہیں اس غصہ میں آ کر کسی کو دُکھ نہ دینا کہ وہ تمہیں دینِ حق کی پیروی سے روکتا تھا یا تم پر حرم کعبہ کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ مسلمانوں کے اس سلوک کو دیکھ کر اہلِ مکّہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور اپنی پُرانی کارروائیوں پر ندامت کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ہی قرآنِ پاک نے حکمِ عام دیا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم سے حق و انصاف کا دامن چھوٹ جائے۔ حق و انصاف کو ہمیشہ برقرار رکھو کہ یہی راستہ منزلِ تقویٰ کے قریب ہے۔ دشمنیاں ہر قسم کی پیدا کی جاتی ہیں۔ نسلی، لسانی، طبقاتی، علاقائی اور سیاسی۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ان دشمنیوں کو نبھانے کے لئے جھوٹ، بددیانتی، فریب کاری اور مکر کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ایک جماعت دوسری جماعت پر قسم قسم کے بہتان لگاتی

ہے تاکہ اس کو بدنام کر کے عوام کی حمایت اور ہمدردی حاصل کی جائے۔ اس کاروبار میں عدل و انصاف اور حق و صداقت کو بالکل تیاگ دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس طریقہ کار سے روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ عدل و انصاف اور حق و صداقت کا دامن کسی رنگ میں نہ چھوٹے، اپنے مخالف پر بہتان مت باندھو، گالیاں مت دو۔ جھوٹ سے کام مت لو کہ یہ ساری چیزیں عدل و انصاف اور حق و صداقت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں۔ آخرکار عدل و انصاف اور حق و صداقت کی ہی فتح ہوتی ہے۔ حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی یہ بھی ایک علامت بتلائی ہے کہ جب وہ غصے میں آتا ہے تو . . . . بد کلامی سے کام لیتا ہے اور اس کے برعکس مسلمانوں کو حکم ہے کہ اگر تم نے دین کی تبلیغ بھی کرنی ہو تو لوگوں کو دلیل و منطق سے سمجھاؤ، حقیقت کو مت چھپاؤ، تاکہ حق و صداقت کا بول بالا ہو جائے۔ الغرض عدل و انصاف اور حق و صداقت شیوۂ مسلمانی ہے۔ اس کو کسی حال میں ترک نہیں کرنا چاہیئے خواہ تمہارا مدِ مقابل کتنا ہی شدید اور ناپسندیدہ دشمن ہی کیوں نہ ہو ٭

خودی ہے زندہ تو ہے موت ایک مقامِ حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثباتِ
خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرانہ تیرا
ترے فراق میں مضطر موجِ نیل و فرات
خودی ہے مردہ تو مانندِ کاہ پیشِ نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات

(۴۱)

تاریخ کے ساتھ دلچسپی رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ جب کوئی قوم شاہراہ ترقی پر قدم رکھتی ہے تو ان کے راستہ میں ان گنت مشکلات اور رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں جن پر صرف وہی لوگ قابو پاتے ہیں جن کی ہمت عالی اور حوصلے بلند ہوں۔ ہمت کے ہیٹے اور پست حوصلہ لوگ مشکلات کے آگے ہتھیار ڈال کر منزلِ کامیابی تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسی مشکلات اور رکاوٹوں سے اٹی پڑی ہے لیکن مسلمانوں کی بلند حوصلہ اور عالی ہمت قوم نے کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ اس لئے کہ ان کو اپنے نصب العین کی صداقت پر پختہ یقین تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ قدرت کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں ایک بلند مرتبہ معاشرہ کی بنیادوں کو مستحکم کیا جائے جس کے لئے ہم کو چنا گیا ہے۔ اگر ہم نے اس فریضہ کو سرانجام نہ دیا تو قدرت کسی اور قوم کو ہماری جگہ کھڑا کر دے گی اور ہم اس اعزاز سے محروم رہ جائیں گے۔ اسی جذبہ، ایمان اور ایقان نے اُن لوگوں کو ہر مشکل اور رکاوٹ کا مقابلہ کر کے منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے پر آمادہ کیا اور وہ نہایت کامیابی کے ساتھ ان منزلوں کو طے کرتے گئے۔

مسلمانوں کی تعداد ابتدا میں انگلیوں پر گننے کے برابر تھی اور وہ سب لوگ بظاہر غریب اور بے دست و پا تھے یہاں تک کہ وہ گھروں میں چھپ چھپ کر احکامِ اسلام بجا لاتے تھے اس کے باوجود ان کو سخت اذیت دی جاتی تھی ان کو گرم ریت پر لٹایا جاتا تھا۔

گرم سلیں اُوپر رکھ کر اذیت دی جاتی تھی ان کو کوڑے لگا لگا کر لہولہان کیا جاتا تھا ان کا دانہ پانی بند کر دیا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود ان کے حوصلہ میں لچک پیدا نہ ہوئی۔ اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی - اور نہ اُن کو اپنے مشن کی کامیابی پر شبہ ہوا جب وہ ہمت کر کے کعبہ تک پہنچے تو ان کو سوشل بائیکاٹ کر کے شعب ابی طالب درّہ میں بند کر دیا گیا۔ اُن کی رسد اور نقل و حمل کے راستے کاٹ دیئے گئے۔ یہاں تک کہ وہ درختوں کی جڑیں اور پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس بلند عزم قوم نے ان خوفناک مصائب کی بھی پروا نہ کی اور وہ برابر اپنے مشن کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ پھر ان کو ترکِ وطن پر مجبور کیا گیا کچھ مسلمان حبشہ کی طرف بھاگ گئے۔ اور کچھ مدینہ منورہ کی طرف لیکن اس خانہ براندازی پر بھی انہوں نے نئی بستیاں آباد کیں۔ افریقہ اور مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت تیزی سے ہوتی رہی۔ پھر کمزور، کم تعداد، نہتے مسلمانوں کو خطرناک جنگوں میں الجھا دیا گیا۔ جہاں انہوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے جن کو دیکھ کر حق و صداقت کے دشمن حیران رہ گئے۔ دشمنوں کی انفرادی اور اجتماعی مخالفتوں کے باوجود یہ قوم آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُن کو اپنے نصب العین کی صداقت پر مکمل یقین تھا۔ اُن کی ہمّت بلند تھی۔ ان کا کردار بے داغ تھا اور ان کو خدا کے اس وعدہ پر یقین تھا کہ جب تک تم اپنے اندر مومنانہ کردار کی آبیاری کرتے رہو گے۔ تم ہر میدان میں غالب آؤ گے، ہر جگہ تمہارا پلّہ بھاری رہے گا اور تم دنیا میں عزت و عظمت پاؤ گے۔ ان ہی باتوں کی وجہ سے تمام مشکلات کے باوجود مسلمان کامیابی پر کامیابی حاصل کرتے رہے۔ اُحد کی جنگ میں دشمنوں کا پلّہ بھاری رہا اور ایک جنگی چال کی ناکامی کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا موقعہ ملا۔ اس سے جرأت پا کر جب وہ حملہ بازگشت کرنے لگے تو اُن کے اپنے سرداروں نے یہ کہہ کر روکا کہ مسلمانوں کی ایک فرد گذاشت کی وجہ سے تم کو فائدہ ملا ہے دوبارہ حملہ کرو گے تو یہ لوگ تمہیں تباہ کر کے

رکھ دیں گے چنانچہ دوسری جنگوں میں مخالفوں پر یہ حقیقت اچھی طرح اور عملاً واضح ہوگئی کہ مسلمان نہ ڈرتے ہیں اور نہ دبتے ہیں۔ اُن کا خدا پر بھروسہ ہوتا ہے اُن کو اپنے مشن کی صداقت پر ایمان ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا کی کوئی طاقت اُن کو مرعوب اور پست ہمت نہیں کرسکتی۔ یہی نظارہ دنیا نے قادسیہ کے میدان میں دیکھا۔

الغرض مسلمان خوف و ہراس اور رنج و غم کا خوگر نہیں۔ وہ ایک پُر عزم مجاہد ہے اور فتح و شکست کو خدا کے اختیار میں سمجھ کر اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے جس میں اس کی نفسانی خواہشات کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ جیتا ہے تو خدا کے لئے، مرتا ہے تو خدا کے لئے، اس کی دوستی اور دشمنی خدا کے لئے ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں ایک پر وقار انسانی سماج قائم کرنے پر مامور ہے اور یہی اس کا مقصد حیات ہے۔ اسی لئے خدا اس پر واضح کرتا ہے کہ تم نہ تو مشکلات سے گھبراؤ اور نہ کسی ناکامی پر غم کرو۔ تم ہر میدان میں کامیاب ہو، بشرطیکہ تمہارا کردار مومنانہ ہو۔ میدانِ جنگ میں فتح حاصل کرو تو غازی اور اگر بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے جان دو تو شہید۔ دونوں صورتوں میں تم کامیاب ہو۔ اگر تم نیک جدوجہد میں دُکھ اٹھاتے ہو تو تمہارے دشمنوں کو بھی دُکھ پہنچتا ہے اور تم خدا سے وہ کچھ توقع رکھتے ہو، جو وہ نہیں رکھتے۔ وہ ذاتی اغراض کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور تم بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے۔ بھلا وہ تمہارے ہم پلّہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہی اصول مسلمان کے لئے دنیا کی دوسری مشکلات میں بھی مقرر ہے جب مسلمانوں کو کوئی مالی یا جانی صدمہ پہنچتا ہے تو وہ مایوس ہو کر اس دکھ کو سینے کے ساتھ لگائے نہیں بیٹھتے بلکہ یہ کہہ کر کمر ہمت باندھ لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کا ہے اور ہم نے بھی اسی کے دربار میں جانا ہے۔ لہٰذا غم کس بات کا۔ یہی مومن کا شیوہ ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی مشکل سے رنجیدہ اور کم ہمت نہیں ہونا چاہیئے بلکہ سلف صالحین کی طرح ہر مصیبت کا اس وقت تک مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جب تک اس پر قابو نہ پایا جائے۔ یہی مومنانہ شان

ہے اور یہی مومنانہ کردار ہے۔ اس وقت ہم بعض مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ دنیائے اسلام کے خلاف سازشیں چل رہی ہیں۔ یہ وقت ہے کہ ہم اپنی بلند ہمتی، عزم راسخ بلند کرداری اور سچے ایمان کا ثبوت دیتے ہوئے۔ اِن مشکلات کا اس وقت تک مقابلہ کریں۔ جب تک اِن پر پورا پورا قابو نہ پایا جائے۔ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ ہم ایک ہوں اور نیک ہوں۔ خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑیں اور متحد ہو کر آگے بڑھیں یہی خدا کا ارشاد ہے اور یہی رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، کہ مسلمان ایک مضبوط قلعہ ہیں جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کو سہارا دیتا ہے اور اس طرح ان کا وقار قائم رہتا ہے اس وقت فروعی اختلافات، اور ایک دوسرے کو ہدف بنانے کا وقت نہیں بلکہ یہ وقت اتحاد، عمل اور باہمی یگانگت کا ہے۔ مسلمان مشرق میں ہوں یا مغرب میں، شمال میں ہوں یا جنوب میں، وہ ایک ہیں۔ اُن کی عزّت ایک ہے۔ اُن کی مشکلات سب کی مشکلات ہیں اور ان کا مقابلہ کرنا ہم سب کا اجتماعی فرض ہے۔

نشاں یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق و مروّت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی انکی تقصیریں
قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال
یہ اُمتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

۴۲

خودشناسی اور خدا آگاہی سے زندگی کا رُخ بدل جاتا ہے اور انسان وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے مسلمان کو بار بار حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس کا امتحان کرتا رہے۔ اپنا محاسبہ کرتا رہے اور کائنات کے مشاہدے میں مگن رہے۔ حضرت انسان کو پیدا کیا گیا اور اسے قدرت نے اپنا نمائندہ اور جانشین بنا کر بھیجا ساتھ ہی حکم دیا کہ اپنے اندر خدائی صفات پیدا کرو۔ کیونکہ نائب بننے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ نائب اپنے آپ کو اقتدارِ اعلیٰ کے رنگ میں رنگ لے، جبھی وہ نمائندگی کا حق ادا کر سکتا ہے جس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے رنگ میں رنگ دو۔ بھلا اشرف المخلوقات بننے کے لئے انسان کو اس سے اچھا رنگ کہاں مل سکتا ہے؟ خدا کی بے شمار صفات ہیں جو اپنے اپنے وقت پر جلوہ دکھاتی ہیں بعض صفتیں عام بھی ہیں جن کا ظہور ہر وقت ہوتا رہتا ہے ان ہی میں نظم وضبط کی صفت کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدرت نے کائنات کو ایک نظام کے تحت پیدا کیا ہے۔ ہر چیز ایک نظام کے ماتحت چلتی رہتی ہے جس میں کبھی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو جائے تو نظامِ عالم میں خلل واقع ہوتا ہے۔ چاند اور سورج مقررہ وقت پر مقررہ سمت میں غروب ہو جاتے ہیں۔ اگر اس نظام میں فرق آئے تو اس کا لازمی اثر کائنات پر پڑے گا یہی نظم وضبط انسانی معاشرہ کی بھی جان ہے۔ قدرت نے کام کاج اور تگ و دو کے لئے دن بنایا اور اس میں وہ تمام ضروریات رکھ دیں جو سعی وعمل کے لئے ضروری ہیں

آرام اور راحت کے لئے پُر سکون رات بنا دی جو انسان کو دن کی تھکاوٹ اور تفکرات سے نجات دلا کر اپنی آغوش میں لیتی ہے۔ تاکہ وہ صبح دن کی ذمہ داریاں اور فرائض پورے کرنے کے لئے تازہ دم ہو جائے۔ اگر اس کا اُلٹ کیا جائے تو زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا فطرت کے یہی قوانین اسلام میں جمع کئے گئے ہیں اور ان پر غور کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے، تاکہ انسانی زندگی پر سکون، اطمینان بخش اور مفید بن سکے۔ اور پھر اسی نظام کی تعلیم دینے کے لئے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے لئے اوقات مقرر کئے گئے تاکہ مسلمان نظام حیات کو مستحکم رکھنے کے لئے ان اصولوں کا خوگر بنے۔ جو یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ نماز، روزہ حج، زکوٰۃ محض عبادات ہی نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کی اس کٹھن منزل کو طے کرنے کے لئے تربیت کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ ان عبادات سے جہاں انسان کی روح کو جِلا ملتی ہے وہاں وہ فرائض کی بجاآوری، وقت کی پابندی، اتحاد و اتفاق کی اہمیت، اخوت و مساوات کی اصلیت، باہم مِل بیٹھنے کے فوائد، ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہنے کی ضرورت اور پس ماندہ لوگوں کی معاونت کرنے کی برکت سے بھی آگاہ ہو جاتا ہے اور اس طرح اپنے اندر وہ صفات مستحکم کر لیتا ہے جن کو اعلیٰ انسانی اقدار کا نام دیا جاتا ہے یہ سب باتیں جبھی حاصل ہوتی ہیں کہ انسان اپنے آپ کو حقیقت میں خدا کا نمائندہ تصور کرے۔ اپنے اندر اپنے مالک کی صفات پیدا کرے اور اسی کے رنگ میں رنگا جائے

ستاری و غفاری و قدوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

الغرض صحیح معنوں میں مسلمان بننے کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ کسی شخص کو اسلامی طرز کا نام دیا جائے یا کوئی اپنی زبان سے یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں مسلمان بننے کے لئے ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔ اپنے آپ کو ان اصولوں کا تابع فرمان بنانے کی ضرورت ہے جو مسلمان بننے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کے لئے انسان کو عظیم قربانیاں

دنیا پڑتی ہیں ے

بہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

پس مسلمان بننے کے لئے جہاں زبان سے ایمان کا اقرار کرنا ضروری ہے وہاں یہ بھی لازمی ہے کہ ہم دل سے اپنی زبان کی تصدیق اور اعضاء و جوارح سے اس پر عمل کریں جس وقت ہم میں یہ روح پیدا ہو گی۔ دنیا ہماری تعظیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور ہم غیر شعوری طور پر وہ مقام حاصل کریں گے جو مسلمان کی میراث ہے مسلمان اعلیٰ انسانی صفات کا نام ہے اور یہ نام حاصل کرنے کے لئے باقی تمام سفلی خواہشات کی قربانی دینا پڑتی ہے انسان کو غیر مشروط طور پر آستانۂ الوہیت پر گرنا پڑتا ہے ؂

یہ دُنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی
یہی فرزندِ آدم ہے کہ جس کے اشکِ خونیں سے
کیا ہے حضرتِ یزداں نے دریاؤں کو طوفانی
فلک کو کیا خبر یہ خاکداں کس کا نشیمن ہے
غرض انجم سے ہے کس کے شبستاں کی نگہبانی

(۴۳)

اسلام دین فطرت ہے۔عقل و منطق کا مذہب ہے۔ فکر و تدبر کا وسیلہ ہے۔اسی لئے اس میں کجی اور گمراہی کا امکان نہیں۔ کجی اور گمراہی کا امکان تو وہاں ہوتا ہے جہاں مذہب کو عقل و فکر، دلیل و منطق اور فطرت کا دشمن قرار دیا گیا ہو اور اسکے برعکس ایک خیالی طریق کار کو رواج دیا گیا ہو۔ اسلام ہرگز ایسی تعلیم نہیں دیتا۔ اُس نے عباد الرحمٰن کی صفت یہی قرار دی ہے کہ جب اُن کو خدا کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے بن کر ان پر نہیں گرتے بلکہ ان پر غور و فکر کرتے ہیں ان کو عقل اور فطرت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور اُن کی اساس کو سمجھ کر ان پر یقین اور اطمینان کے ساتھ عمل کرتے ہیں اور اس طرح دین و دنیا میں سرخروئی حاصل کرتے ہیں۔ دعا بھی مسلمان کو یہی سکھائی گئی کہ۔ اے خدا ہمیں دین اور دنیا میں نیکی، بھلائی اور کامیابی کے ساتھ ہمکنار کر۔ ظاہر ہے کہ دین و دنیا کی بھلائی بیہوش لوگوں کو نہیں ملتی بلکہ اُن کو ملتی ہے جو عقل و خرد اور ایمان و ایقان سے کام لیتے ہیں۔ خدا نے انسان کو آنکھیں، کان، زبان، دل، دماغ اور حس عطا کی ہے یہ سب قوئ تقاضا کرتے ہیں کہ فکر و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کو کوئی کام بلا سوچے سمجھے نہیں کرنا چاہیئے اسی لئے قرآن کریم میں بار بار عقل و شعور سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے جو لوگ ایسا نہیں کرتے اُن کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ کیا یہ لوگ عقل و شعور نہیں رکھتے۔ یہ لوگ عقل و شعور سے کام نہیں لیتے۔ ان لوگوں کو تو تخلیق کائنات کے بارے میں بھی سوچنا چاہیئے کہ یہ

کائنات کیسے معرض وجود میں آئی۔ اس کارخانہ قدرت کا مقصد و مدعا کیا ہے اور اس عظیم الشان کارگہ میں انسان کی حیثیت کیا ہے۔ اس کو اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے فطرت کے وسائل سے کام لینے کے لئے کس حسن تدبر سے کام لینا چاہیئے۔ الغرض اسلام اندھی تقلید کا سخت دشمن ہے اسلام عقل و خرد کو اساس بنا کر اس کے مطابق چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ بے عقل اور بے ہوش لوگوں کو اسلامی عبادات سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے اس لئے کہ وہ ان احکام اور عبادات کی غرض و غایت نہیں سمجھتے اور اسلام کسی کو افیون کھلا کر مذہب کا مقلد نہیں بنانا چاہتا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اگر جنگ میں یا کسی اور بنا پر وہ لوگ تمہارے قبضہ میں آئیں جو اسلام کی حقانیت پر یقین نہیں رکھتے تو ان کو اس نور کی عہد آفرینی سے آگاہ کرو۔ اس کے بعد ان کو کھلا چھوڑ دو۔ ان کو ان کے گھروں تک پہنچا دو تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اسلام اور اسلامی احکام پر غور کریں اور اس کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر فیصلہ کریں کہ ان کے لئے کون سا راستہ اختیار کرنا مفید ہے۔ اسی طرح خدا، رسالت، ملائکہ، آخرت اور زندگی بعد الموت کے بارے میں عقل و منطق کے اصولوں کے ماتحت سوچنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان کا یقین اور ایمان پختہ ہو جائے

اسلام ذی ہوش انسان کو لکیر کا فقیر نہیں دیکھنا چاہتا۔ کورانہ تقلید پر مجبور نہیں کرتا بلکہ واضح طور پر حکم دیتا ہے کہ جب کسی کو اسلام کی دعوت دو تو دلیل و منطق کی بنیاد پر دو۔ نہ اُس کو مجبور کر کے اپنی بات منواؤ۔ عصبیت اور جذبات کا واسطہ دے کر کسی کو اپنا ہم نوا بناؤ۔ بلکہ دینِ فطرت کی اشاعت کے لئے وہ فطری راستہ اختیار کرو جو حضرت انسان کی تخلیق کے ساتھ وابستہ ہے یعنی انسان صاحبِ عقل و شعور ہے لہذا اس سے عقل و شعور کے ذریعہ ہی کوئی حقیقت منوائی جا سکتی ہے اور وہی اس کی طبیعت میں راسخ ہو سکتی ہے ایمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ اس میں زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء و جوارح سے عمل ضروری ہے اور یہ تینوں چیزیں جبھی جمع ہو سکتی ہیں کہ انسان جس چیز کا اقرار کرے

دل و دماغ اس کو قبول کرتا ہو تب ہی اس پر عمل کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ انسان حسن و احسان سے ہی کسی طریقت کا گرویدہ ہوتا ہے اور حسن و احسان کی بنیاد بھی درحقیقت عقل و فکر ہے جب تک انسان غور کر کے مستحسن لائحہ عمل اختیار نہیں کرتا اس میں حسن و احسان کی صفات پیدا نہیں ہوتیں۔ سختی، درشتی اور جبر و استبداد سے پیدا کی ہوئی صفات قائم نہیں رہتیں۔ یہ چیزیں دباؤ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ پانی پر لاٹھی مارو، وہ دو حصوں میں تقسیم تو ہو جاتا ہے لیکن ضرب کا زور ختم ہوتے ہی پھر آپس میں مل جاتا ہے۔ یہی حال عقائد کا ہے جن عقائد کی بنیاد جہالت اور دیومالائی پر ہو وہ جہالت کا اندھیرا چھٹ جانے کیساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی قوم کی کورانہ اور جاہلانہ تقلید کو دیکھا۔ آپ نے ان کو عقل سے سمجھایا۔ حضرت موسیٰ نے فرعونیوں کی گمراہی کو بھانپا اور ان کو منطق کے ذریعے راہ راست دکھلانے کی کوشش کی۔ اسلام بنی نوع انسان کے لئے نورِ ہدایت بنکر آیا۔ لہٰذا ہمیں اس نور کی قندیلوں کو روشن تر کر دینا چاہیئے۔ حضرت بانیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسّلام کو بار بار معجزات دکھلانے کے لئے کہا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ معجزات اپنی جگہ برقرار ہیں اور ان کو دکھلانے پر خدا قادر ہے لیکن میں جس دین کی تمہیں دعوت دیتا ہوں اسکی بنیاد عقل و شعور ہے لہٰذا پہلے اپنے عقل و شعور سے کام لے کر اپنے لئے صحیح لائحہ عمل تجویز کرو اس کے بعد معجزات بھی خود ہی ظہور میں آئیں گے۔ الغرض اسلام دین فطرت ہے۔ ذی عقل انسان کے لئے علم و حکمت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے لہٰذا اس دین کو دیومالائیوں کا مذہب مت بناؤ۔ اسلام کو وہی سادہ اور آسان مذہب رہنے دو جو اسکی بنیاد ہے اور اسی طریقے پر اسکی تبلیغ و اشاعت کرو کہ دنیا پھر ایک دفعہ اسلام کی گرویدہ ہو جائے اور ان باطل عقائد کو ترک کر دے جن کی بنیاد محض ظن و تخمین پر رکھی گئی ہے جس کو لوگوں کی رگ و پے میں پیوست کیا گیا ہے۔ ان مذاہب میں ایک طبقہ اپنے مفادات کو قائم رکھنے کے لئے ایسی ایسی کہانیاں گھڑ لیتا ہے جن کو عقلِ سلیم قبول نہیں کر سکتی۔ اگر ہم بھی یہی وطیرہ اختیار کریں تو اسلام امن و سلامتی کا مذہب نہیں رہ سکتا۔

اسلام دنیا میں امن وسلامتی اور عقل وشعور کا علمبردار بن کر آیا ہے۔ وہ ہر بات میں عقل و خرد سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ کائناتِ عالم کے ذرّہ ذرّہ پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے اور آسمانی آیات ونشانات پر غور وفکر کی تلقین کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اسلام کو اسی رنگ میں دیکھنا چاہیئے۔ اسی رنگ میں دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہیئے:۔

آتی ہے دم صبح صدا عرشِ بریں سے
کھویا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک
کس طرح ہوا کند تیرا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے تاروں کے جگر چاک
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں؟
کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

(۴۴)

اسلام ایسے انسانی معاشرے کا نام ہے جس کی بنیاد اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں پر استوا ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم انسانی زندگی کا مکمل لائحہ عمل ہے تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسلام، قرآن اور بانئ اسلام علیہ الصّلوٰۃ والسلام انسانیت کو اس مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں جس پر اشرف المخلوقات کا لقب موزوں ہو۔ اگر انسان اس درجہ پر نہ پہنچ سکے تو وہ دوسرے حیوانات سے مختلف نہیں ہو سکتا۔ خدا کی نظروں میں وہی لوگ قدر و منزلت کے حقدار ہیں جو برائیوں سے دور رہیں اور نیکیوں کو اپنا شعار بنالیں، یہی تقویٰ کا مطلب اور مفہوم ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مرتبہ کو انسان کیسے پہنچ سکتا ہے اس کا طریق ہمارے نزدیک یہی ہے کہ الٰہی احکام پر عمل کیا جائے اور قدم قدم پر فطرت کے قوانین کو آنکھوں کے سامنے رکھا جائے، اس لئے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام کے تمام اصول اور قوانین فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ایک نقشہ سورۂ فرقان میں پیش کیا گیا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے کہ میرے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں ان میں کبر، غرور، گھمنڈ، خود بینی اور انانیت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ خوددار ضرور ہوتے ہیں لیکن خود غرض نہیں ہوتے اور جب جاہل اور ناسمجھ لوگ ان سے اُلجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ صلح و آشتی کی بات کہہ کر آگے بڑھتے ہیں وہ نہ تو فتنہ و فساد کے خوگر ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کا موقعہ دیتے ہیں وہ دن رات بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز رہتے

ہیں کہ اس نے ہمیں انسانیت کا بلند مقام عطا کیا۔ وہ ہر وقت دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس کی پاداش میں ہمیں جہنم کی آگ میں جلنا پڑے جہنم دنیاوی زندگی میں ہو یا آخروی زندگی میں وہ انسانوں کا ٹھکانہ نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اس میں نہ بخل کرتے ہیں اور نہ اسراف بلکہ حدِ اعتدال پر رہتے ہیں یہ لوگ نہ تو خدا کے بغیر کسی اور کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور نہ بے گناہ لوگوں کا خون بہاتے ہیں اور نہ ہی بدکاری کے مجرم بنتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جو شخص ایسے کام کرے گا وہ انسانیت کے دائرے سے نکل جائے گا اور سزا کا مستحق بنے گا اور پھر آخرت میں اس کو دوہری سزا ملے گی۔ یہ لوگ نہ تو جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور نہ اخلاق سوز مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں بلکہ جب کبھی ایسی جگہوں سے گذر ہو تو وہ خود دار شریفوں کی طرح گزرتے ہیں تاکہ کوئی ان پر انگلی نہ اٹھا سکے جب ان کے سامنے خدا کی آیات پڑھی جائیں یا خدا کی قدرتوں کا تذکرہ ہو تو وہ اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے بلکہ خدا کی ان نشانیوں پر غور کرتے ہیں اور ان میں اپنے بھلے اور بُرے راستے تلاش کرتے ہیں وہ دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ تعلق رکھنے والے خواہ وہ ہمارے جوڑے ہوں یا ہماری اولاد ہو اسی ڈگر پر گامزن رہیں اور ہم اعلیٰ انسانی اقدار قائم کرنے میں نیک لوگوں کے رہنما بنیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو بہترین زندگی سے نوازا جائے گا، جہاں چاروں طرف تحسین و آفرین کی ہی آوازیں آتی ہوں۔ یہ ہے خاکہ ان لوگوں کی زندگی کا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کا ہر قدم نیکی کی طرف اٹھتا ہے وہ دوسروں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دیتے ہیں تاکہ انسانی معاشرہ صحیح معنوں میں جنّت کا نمونہ بن جائے جہاں ہر شخص اپنے حال میں خوش ہو کسی کو کسی کے ساتھ بغض و عناد نہ ہو۔ ہر ایک ان کاموں میں مشغول ہو جن سے انسانی معاشرہ اور ترقی کرتا جائے بلند ہوتا جائے۔ اگر ہم اپنے اندر یہ صفات پیدا نہیں کرتے تو یقین رکھیئے کہ ہمارا مسلمان ہونے کا دعویٰ بے جان ہے۔ ہم میں اور دوسروں میں کوئی فرق اور تمیز نہیں۔ ہم بھی ویسے ہی بے کار ہیں جیسے دوسرے حیوانات بلکہ اُن

سے بھی زیادہ جس کو قرآن کریم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ جو لوگ کتابوں کے گٹھے اٹھائے پھرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے۔ اُن کی مثال ان گدھوں کی طرح ہے جن پر کتابوں کے بوجھ لاد کر ہانک دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادنے سے وہ انسان نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اگر ایک انسان بھی علم و عقل سے کام نہ لے۔ بھلے اور بُرے میں تمیز نہ کرے وہ بھی حیوانوں میں ہی شمار ہوگا۔

سمجھا لہو کی بوند اگر تو اِسے تو خیر
دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند
گردش مہ و ستارہ کی ہے ناگوار اسے
دل آپ اپنے شام و سحر کا ہے نقشبند
جس خاک کے ضمیر میں ہے آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

۴۵

ظہورِ اسلام سے پہلے عورت دنیا کی مظلوم ترین مخلوق تھی اس کے جذبات کا کسی جگہ خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ گھروں میں اس سے کنیزوں اور لونڈیوں کا کام لیا جاتا تھا۔ اگر اُسکے بطن سے لڑکی کو جنم ملتا تو اسے زندہ درگور کیا جاتا تھا اور ایسی عورت کو اور زیادہ دھتکارا جاتا تھا۔ خاندانوں میں عورتوں کو بطور جائداد بانٹ دیا جاتا تھا۔ الغرض عورت کی معاشرہ میں کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ اس صنف کو ایک طرف تو گناہ کا سرچشمہ کہا جاتا تھا اور دوسری طرف اپنی بہیمانہ خواہشات کی تسکین کا باعث پس معاشرہ میں صنفِ نازک کی یہ وقعت تھی۔ جس کی وجہ سے انسانیت کا نصف حصہ تحقیر و تذلیل کا شکار بن کر رہ گیا تھا اور اس طرح انسانی معاشرہ اپنے نصفِ بہتر کی معاونت سے محروم ہو گیا تھا جو خدا نے خاص طور پر اس صنف کو ودیعت کر رکھی ہیں۔ اسلام نے دوسری بے انصافیوں کی طرح اس ظلمِ عظیم کا سدباب بھی کیا اور معاشرہ کو اس نصفِ بہتر کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا۔ جس کی تربیت اور پرورش کے بغیر قومیں کبھی منزلِ عروج تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اسلام نے عورت کو بیوی بنا کر مرد کا شریک اور پردہ پوش قرار دیا۔ ماں بنا کر جنت اُس کے قدموں میں رکھدی۔ بیٹی بنا کر محبت و شفقت کا مجسمہ بنا دیا اور فرمایا کہ جو شخص اپنی بچی کی اچھی طرح تربیت اور پرورش کرتا ہے وہ جنت میں انبیاء کے ساتھ ہوگا۔ کتنا بڑا اعزاز ہے جو اسلام نے اس نصف کو بخشا۔ جس کے ساتھ حیوانوں ایسا سلوک کیا جاتا تھا۔ پھر اس مقام و مرتبہ کو ایک نفسیاتی اور فلسفیانہ استدلال کے ذریعہ اور

مستحکم کردیا اور فرمایا کہ تم عورت کے مقام و مرتبہ سے کیسے اعراض کرتے ہو جبکہ تمہاری ہستی ہی مرد اور عورت کے ذریعہ وجود میں آئی ہے۔ بھلا انسان اپنے نصف حصہ تخلیق کو کیسے فراموش کر سکتا ہے۔ عورت کو اپنے اوپر کوئی اختیار حاصل نہ تھا مرد جس طرح چاہتا۔ اس پر مظالم بھی ڈھالیتہ اور اس کو اُف تک نہ کرتے دیتا۔ اس کو بے آسرا چھوڑ کر مصائب و آلام کا شکار بنا سکتا تھا۔ اسلام نے اس بے انصافی کا بھی ازالہ کر دیا۔ اس نے اگر مرد کو طلاق کا مشروط حق دیا تو عورت کو بھی خلع کے حق سے نوازا۔ اور پھر مرد پر یہ پابندی لگا دی کہ وہ عورت کے حقوق نہ دبائے اسے مجبور نہ کرے یا اس سے ناجائز معاوضہ حاصل کرنے کے لئے اُسے معلّق نہ رکھے۔ عورت کو نہ صرف جائداد کا مالک ٹھہرایا بلکہ وراثت میں بھی اس کو برابر کا شریک رکھا۔ الغرض عورت کو ہر رنگ میں مرد کے برابر درجہ دیا گیا۔ تاہم اسلام نے دونوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کی حد بندی کر دی۔ مرد پر یہ ذمہ داری عاید کی گئی کہ وہ عورت کی کفالت کرے، عورت کا فرض قرار دیا کہ وہ مرد کی کمائی کو صحیح مصرف میں لائے اسمیں کسی قسم کی خیانت نہ کرے مرد کو خارجی انتظامات کا ذمہ دار ٹھہرایا اور عورت کو گھر کی ملکہ بنا کر اس پر گھر کو آباد رکھنے اور بچوں کی بہترین پرورش اور تربیت کرنے کی ذمہ داری عاید کی گئی جس پر ہر عورت جتنا بھی فخر کرے بجا ہے کیونکہ ماؤں کی تربیت سے ہی مستقبل کے قومی ہیرو اور رہنما تیار ہوتے ہیں۔ جو معاشرہ پر عورت کا بہت بڑا احسان ہے۔ الغرض عورت کو ہر رنگ میں مرد کے برابر حقوق دیئے گئے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عورت چونکہ جسمانی لحاظ سے کمزور ہوتی ہے اس لیئے اس کے تحفظ کا فرض بھی مرد پر ہی عائد کیا گیا، تاکہ کوئی عورت کی تخلیقی کمزوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ عورت کو اسلام کے اس احسانِ عظیم کی شکر گذاری کا پورا پورا حق ادا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسی لئے اسلام نے عورت کی تخلیقی کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر اس پر بعض ایسی پابندیاں بھی لگادی ہیں جن سے معاشرہ میں ایسی بُرائیوں کی روک تھام مقصود ہے جو انسان کی بیمانہ خواہشات سے جنم لیتی ہیں۔ مثلاً عورت کو مناسب حد تک پردہ کا حکم دیا گیا۔ اُسے اپنی زینت دوسروں پر ظاہر نہ کرنے کا پابند کر دیا گیا اور اُسے ایسے لوگوں کے ساتھ

خلط ملط ہونے سے ڈر گیا جن کو اس کے عزّت نفس کی چنداں پروانہ ہو۔

عورت کی فطری خواہشات کو مدنظر رکھ کر اسے کچھ اور رعائتیں بھی دی گئی ہیں مثلاً یہ کہ مسلمان مرد سونے اور ریشم کا استعمال نہیں کرسکتا لیکن عورت پر یہ پابندی نہیں وہ اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق سونے اور ریشم کا بھی استعمال کرسکتی ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ عورت فیشن کی دل دادہ بنے اور اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر بناؤ سنگار کا خیال رکھے سادگی مسلمان مرد اور عورت کے لئے لازمی ہے اس میں حدِ اعتدال سے بڑھنا تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ جب تک مسلمان عورت اِن اسلامی حدود میں رہی۔ اُس نے دنیا میں بڑے بڑے کارنامے کر دکھائے اور جب وہ ماحول کے اثر اور بیرونی دنیا کی بے اعتدالی سے متاثر ہوئی، وہ انسانیت کے اس مایۂ صد افتخار زیور سے محروم ہوگئی جو فی الحقیقت عورت کا حسن ہے۔

اسلام تحدیث نعمت کا مخالف نہیں۔ اس کے باوجود سادگی بلحاظِ رتبہ انسانیت کا گراں مایہ زیور ہے جو حقیقی انسانیت کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ میں بھی فیشن پرستی اور دوسری قوموں کی ریس کا رجحان بڑھتا جارہا ہے اور اس سے ہماری خواتین زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہیں۔ زیورات کے انبار لگانا اور نئے نئے فیشن اختیار کرنا ایک متعدّی مرض کی طرح وبائی صورت اختیار کررہا ہے جس سے معاشرے میں کئی قباحتیں پیدا ہورہی ہیں۔ دولت کا بے جا استعمال اور محنت سے دُور بھاگنا بنیادی طور پر اسی جذبہ کا نتیجہ ہیں۔ جہاں دو عورتیں اکٹھے ہوجاتی ہیں۔ وہاں قومی مسائل اور ملکی معاملات کے بجائے فیشن پرستی، نئے نئے ڈیزائنوں۔ اور نئے نئے زیورات کی بات چل پڑتی ہے اور اس پر اتنا زور دیا جاتا ہے کہ گویا زندگی کا مقصد ہی یہی ہے۔ حالانکہ لباس اور زیور محض آرائش سردی گرمی سے بچاؤ اور ستر پوشی کے لئے ہوتا ہے۔ لباس اور زیورات سے گھر بھر کر رکھنا قومی ضیاع ہے۔ سونا پڑا پڑا اپنی قیمت کا معتدبہ حصّہ کھو دیتا ہے۔ کپڑے صندوقوں میں رکھے رکھے بوسیدہ اور بے کار ہوجاتے ہیں۔ اس طرح وہ مفید قومی دولت ضائع ہوجاتی ہے۔

جس کا کاروباری اُمور میں لگا کر کئی لوگ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ دولت کو اس طرح بے کار رکھنا اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ ہماری خواتین اس دولت کو کمپنیوں کے حصّوں، تجارت دفاعی مدات وغیرہ میں لگا کر خود بھی فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور ملک و ملت کو بھی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ گھر کا خرچ اور انتظام اکثر عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس میں جزرسی اور کفائت شعاری سے انفرادی اور اجتماعی مفادات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ خوشی اور غمی کی تقریبات کا انتظام بھی مستورات ہی کرتی ہیں یا یہ کہ ان انتظامات میں ان کے مشورے کو سب سے زیادہ دخل ہوتا ہے اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایسی تقریبات منعقد کرنے کے لئے بے جا اخراجات کئے جاتے ہیں جس سے ملک و ملت اور گھر والوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ۔ لہٰذا ان تقریبات میں بھی کفائت شعاری کی ضرورت ہے اور اس طرح بچایا ہوا پیسہ ملکی دفاع، صنعتی ترقی، قومی اور انفرادی ضروریات میں صرف کیا جا سکتا ہے اور یہی شکرانِ نعمت ہے جس سے کسی مسلمان کو گریز نہیں کرنا چاہیئے ❊

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

(۴۶)

پُرسکون زندگی گذارنے کے لئے کچھ اصول مقرر ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان قدرت کے کئے پر راضی رہے، دوسرے یہ کہ حرص اور لالچ سے پرہیز کرے، تیسرے یہ کہ ہر کام میں میانہ روی اور اعتدال قائم رکھا جائے۔ جو لوگ خوشی اور فراخی میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور تنگدستی اور غم میں سینہ کوبی کرتے ہیں ان کی ساری زندگی بے اطمینانی اور اضطراب میں گذر جاتی ہے حضرت بانیٔ اسلام علیہ التحیہ والسّلام نے فرمایا ہے کہ بہترین طرزِ عمل میانہ روی ہے جو لوگ فراخی میں تنگی کا خیال رکھتے ہیں وہ کبھی اضطراب میں نہیں پڑتے۔ جو لوگ فراغت کے وقت دولت دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں۔ وہ مشکلات کے وقت مایوسی اور بے چینی کے شکار ہو جاتے ہیں اسی لئے خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا ہے کہ وہ چیزیں کھاؤ اور پیو جن کی شریعت نے بھی اجازت دی ہے اور تمہارے مزاج کے بھی موافق ہوں لیکن اسراف نہ کرو۔ یہ وہ بلند اصول ہے جس کی مثال نہیں مِل سکتی۔ کھانے اور پینے کے لئے حلال اور طیّب کی شرط لگائی گئی ہے بسا اوقات ایک چیز شریعت نے جائز قرار دی ہوئی ہے لیکن وہ مزاج کے لئے موافق نہیں ہوتی۔ ایسی چیز کھانے اور پینے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر حلال اور طیّب چیزیں بھی اس طرح بے اندازہ اور مسرفانہ رنگ میں کھائی جائیں کہ معدہ اور جسمانی مشینری اس کو برداشت نہ کر سکے تو وہ بھی انسان کے لئے وبالِ جان بن جاتی ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اسراف مت کرو، اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا شیطانی

کام کرنے سے نقصان پہنچتا ہے۔ پھر فرمایا کہ خدا کے اچھے بندے جب خرچ کرتے ہیں تو اس میں نہ اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ بخل سے بلکہ اس کے درمیان درمیان رہتے ہیں یعنی خرچ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتے ہیں اس سے ایک تو اُن کی اپنی زندگی سُدھر جاتی ہے دوسرے مخلوقِ خدا کی بھلائی اور قومی کاموں میں بھی دل کھول کر خرچ کرسکتے ہیں گویا خرچ میں میانہ روی سے انسان کی اپنی زندگی بھی خوش گوار رہتی ہے۔ مخلوقِ خدا کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور قومی کام بھی آسانی کے ساتھ انجام پذیر ہوتے ہیں۔ اسلام نے مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال منع کر دیا، اس لئے کہ وہ تعیش کی زندگی میں نہ پڑیں۔ کاہل اور سست الوجود نہ ہو جائیں اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ گھر میں کئی کئی جوڑے کپڑے ہونے کے باوجود جب بازار میں کوئی نیا کپڑا دیکھتے ہیں یا کسی نئے فیشن پر نظر پڑتی ہے تو فوراً مزید کپڑا خرید کر نئے جوڑے بناتے ہیں اور یہ کپڑے اسی طرح گھر میں پڑے پڑے خراب ہو جاتے ہیں مستورات زیورات کی شوقین ہوتی ہیں وہ سونا اور چاندی خرید خرید کر گھر میں زیورات کا انبار لگا دیتی ہیں حالانکہ ان کو یہ زیورات استعمال کرنے کا بھی موقعہ نہیں ملتا۔ اور وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ آج جو زیور ایک ہزار روپے کا خریدا جائے کل وہی بازار میں پانچ سو روپیہ پر بھی نہیں بکتا اور اگر گھر میں پڑا رہے تو وہ گھستا پستا رہتا ہے اس طرح ہم ایسی دولت ضائع کرتے ہیں یا بند رکھتے ہیں جو کاروبار میں لگ کر نفع کما سکتی ہے لہٰذا ہمیں اس قسم کے بے فائدہ افعال سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے اسلامی تاریخ کے یہ واقعات دنیا جانتی ہے کہ قرونِ اولےٰ کے مسلمان اس قسم کے اسراف سے پرہیز کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ امیرالمومنین ہونے کے باوجود پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ ایک دفعہ آپ رضؓ نیا کرتہ پہن کر خطبہ دے رہے تھے۔ ایک شخص نے اُٹھ کر اعتراض کیا کہ یا امیرالمومنین رضؓ عوام میں جس حساب سے کپڑا تقسیم کیا گیا ہے اس سے تو آپ کا کرتہ نہیں بن سکتا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے لئے زیادہ کپڑا رکھا ہے۔ حضرت عمر رضؓ خاموش ہو گئے اور اپنے بیٹے حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے اُٹھ کر معترض کو بتایا کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا حضرت امیر المومنینؓ کے کرتے کے لئے دیا ہے۔ اِن دونوں حصوں کو مِلا کر ان کا کرتہ تیار ہوا۔ کیونکہ اُن کو مجھ سے زیادہ کرتے کی ضرورت تھی۔ اس واقعہ سے جہاں اسلامی مساوات کا اظہار ہوتا ہے وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے بزرگ گھروں میں کپڑوں کے انبار لگا کر نہیں رکھتے تھے بلکہ اتنے ہی کپڑے بناتے تھے جتنی ضرورت ہوتی تھی تاکہ اس طرح قومی دولت ضائع نہ ہونے پائے اور بے فائدہ گھروں میں بند نہ پڑی رہے۔ الغرض ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لینا چاہیئے۔ تاکہ اس طرح ہماری اپنی زندگی بھی اطمینان کے ساتھ گزرے اور دولت کا بھی ضیاع نہ ہو۔

حدیثِ بندۂ مومن دل آویز
جگر پُر خوں، نفس روشن، نگہ تیز
میسر ہو کسے دیدار اُس کا
کہ ہے وہ رونقِ محفل کم آمیز

(۴۷)

حقیقت جس جگہ ہو جس زمانہ اور جس ماحول میں ہو وہ حقیقت ہی ہوتی ہے۔ سچائی ہر زمانہ میں سچائی ہوتی ہے وہ کبھی بدلتی نہیں۔ اسی سچائی اور حقیقت کو قائم کرنے کے لئے ہر زمانہ اور ہر قوم میں خدا کے مامور آتے رہے تا کہ وہ بنی نوع انسان کو سیدھے راستے پر ڈال دیں۔ ابتدائی زمانہ میں جب نقل و حمل کے ذرائع ناپید تھے۔ مختلف قومیں دنیا کے مختلف حصوں میں آباد تھیں۔ اُن کی طرف جو مامورانِ خدا آتے رہے اُن کی تعلیم اسی خطہ اور اسی قوم تک محدود رہی۔ جوں جوں انسانوں کے معاشرتی تعلقات وسیع ہوتے گئے۔ مامورانِ خدا کا دائرہ عمل اور دائرہ اثر بھی وسیع ہوتا گیا اور ان کی تعلیم میں بھی ماحول اور ضروریاتِ زمانہ کے مطابق اضافہ ہوتا گیا۔ اس طرح پُرانی اور نئی صداقتیں آپس میں ملتی رہیں اور جب دنیا نے ایک معاشرہ کا رنگ اختیار کیا۔ ذرائع آمد و رفت میں وسعت پیدا ہو گئی یا مستقبل قریب میں وسعت پیدا ہونے والی تھی تو خدا نے اپنا آخری مامور حضرت محمد مصطفٰے واحمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامل اور مکمل صداقت دے کر دنیا میں بھیجا تا کہ بنی نوع انسان اس سچائی پر چل کر دین اور دنیا میں کامیابی حاصل کریں۔ اسی لئے ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآنِ پاک بنی نوع انسان کی دنیوی اور اُخروی زندگی کے لئے مکمل لائحہ عمل ہے اس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کمی۔ اس پر عمل کرنے والا کبھی سیدھے راستے سے بھٹکتا نہیں اور منزلِ مقصود سے دور نہیں رہتا۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں تمام وہ صداقتیں موجود ہیں جن کی اس ترقی یافتہ زمانہ

میں انسانی معاشرہ کو ضرورت ہے۔ سچائیوں سے منہ پھیرنے والوں نے اعتراض کیا۔ ارے یہ تو پرانے قصے ہیں یہ ہم نے پہلے بھی سُنے ہیں۔ خدا نے ان کی تردید نہیں کی۔ بلکہ فرمایا، کہ قرآن میں ہم نے ان تمام صداقتوں کو جمع کیا ہے جو انسانی معاشرہ کے فلاح و بہبود کے لئے ضروری ہیں خواہ وہ پرانی صداقتیں ہیں جو تم نے سنی ہیں یا نئی جو آج تک تم کو معلوم نہ تھیں۔ اس لئے کہ سچائی ہر زمانہ میں سچائی ہی ہوتی ہے۔ وہ کبھی پرانی اور بوسیدہ نہیں ہو جاتی، اس کی ہر زمانہ میں انسانی معاشرہ کو ضرورت رہتی ہے۔ انسان میں ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب کا مادہ بھی ہوتا ہے خواہ وہ ماحول کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، علاقائیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہو نسلی امتیاز کی پیداوار ہو یا انانیت کی نشان دہی کرتا ہو، اس لئے وہ جلدی کسی سچائی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ دوسروں کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہم بھی ضدی بن جائیں۔ اس طرح خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن نے ہدایت اور گمراہی کے راستے واضح کر دیئے۔ اب یہ انسان کا اپنا کام ہے کہ وہ سیدھے راستے اختیار کر کے منزلِ مقصود پر پہنچ جائے یا اُلٹے راستہ پر پڑ کر نقصان اُٹھائے ہم نے اُس کو دونوں گھاٹیاں دکھا دی ہیں اور ان کے فوائد اور نقصانات بھی سمجھا دیئے ہیں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم بالکل خاموش رہو۔ تم کو تو اس ہدایت پر اسی لئے جمع کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو بھلے کی بات بتاؤ اور بُرائیوں سے منع کرو۔ تم صداقت کے نقیب ہو۔ نقیب کا فرض ہے کہ وہ سچائی کا اعلان کرے لیکن وہ بھی سلیقہ اور تمیز کے ساتھ، تم لوگوں کو عقل، منطق اور دلیل کے ذریعہ آسمانی سچائی کی طرف بلاؤ۔ تاکہ ان کے دلوں میں نفرت اور کدورت پیدا نہ ہو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دلیل اور منطق کے ذریعہ اپنی بات سمجھانے کی بجائے مدمقابل پر برس پڑتے ہیں۔ اُس کو بُرا بھلا کہتے ہیں اس کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم اس طریقِ تبلیغ سے منع کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ تم دلیل اور منطق کے ذریعہ اپنا دعویٰ ثابت کرو، ماننا نہ ماننا مدمقابل کا اپنا کام ہے، اسی لئے

حکم ہوا کہ دوسروں کے بتوں کو بھی بُرا مت کہو۔ اس لئے نہیں کہ وہ بت سچ مچ خدا ہیں بلکہ اس لئے کہ انکے ماننے والے غصہ میں آکر اس خدائے وحدہٗ لاشریک کو گالیاں دیں گے جس کی ذات اور وجود میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں یہ قرآن کریم کی وہ تعلیم ہے جس پر عمل کر کے قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے دوسروں کے دل موہ لئے تھے اور ان کو اسلام اور اسلامی شعار کا گرویدہ بنایا تھا۔ آج بھی اس طریق کار سے وہی معجزہ سرزد ہو سکتا ہے ؛

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا
حقیقت کا گُر ان کو اک اک بتایا
زمانہ کے بگڑے ہوؤں کو بنایا
بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کُھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اُٹھا کر

(۴۸)

ہر ایک چیز کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ اچھا اور بُرا، مضر اور مفید، تلوار کو لیجئے۔ آپ اس سے اپنی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ کمزوروں کی حمایت بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اسی تلوار سے آپ ایک بے گناہ کو قتل بھی کر سکتے ہیں۔ یہی حال نقالی اور ریس کا ہے ہر قوم اور ہر فرد میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ بُرائیاں بھی۔ اب جس وقت ہم کسی کی نقالی یا ریس کرتے ہیں تو ہمیں یہ خود سوچنا چاہیئے کہ کہیں ہم اُس فرد یا اُس قوم کی بُرائیاں تو اپنا نہیں رہے ہیں۔ نقالی اور ریس کرنی ہو تو خوبیوں میں کرنی چاہیئے بُرائیوں میں نہیں۔ اسی طرح جب ہم اپنے ماحول سے نکل کر کسی دوسرے ماحول میں جائیں تو ایسے موقعہ پر بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے ہمیں اس ماحول میں گم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس ماحول کی خوبیوں کو لینا چاہیئے اور بُرائیوں سے بچنا چاہیئے۔ حضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنے آپ کو کسی دوسری قوم کے رنگ میں رنگ لیتا ہے وہ ان میں مل جاتا ہے اس لئے ماحول کا اثر بہت زیادہ سخت ہوتا ہے اگر انسان ہمت اور جرأت سے کام نہ لے تو اس کے بہک جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور جو انسان ایک موقعہ پر بہک جائے اُس کا کہیں ٹھکانا نہیں رہتا۔ مشرق اور مغرب کو لیجئے، دنیا کے دونوں حصوں کی تہذیب و تمدن میں زمین اور آسمان کا فرق ہے ہمارے نوجوان جب مغربی ممالک میں جاتے ہیں تو اُن کی تہذیب و تمدن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ بعض لوگ تو ان کی تقلید اور نقالی میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ اپنی تہذیب و تمدن کو ہی بھلا بیٹھتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مغربی

ممالک نے بعض باتوں میں بہت ترقی کی ہے مثلاً ظاہری اخلاق، بات کرنے کا سلیقہ، مجلس کے آداب قانون کی پابندی، مروّت اور حمایت۔ لیکن ان کے معاشرہ میں ایسے عیب بھی ہیں جو سارے معاشرہ کو گھُن کی طرح کھا رہے ہیں اور وہ لوگ خود ان برائیوں سے تنگ آ چکے ہیں۔ مثلاً شراب نوشی بدکاری، عائلی زندگی کی تباہ کاری، ایک دوسرے سے بیگانگی، عریانی، یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے مغربی قومیں خود بیزار ہیں اور ان کو سمجھ نہیں آتا کہ ان برائیوں سے اب کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے وہ لوگ لین دین اور تجارتی معاملات میں بڑے دیانتدار ہوتے ہیں ان کی ایسی خوبیوں کو ضرور اپنانا چاہیے کیونکہ ہمیں حکم ہی یہ ہے کہ اگر کسی جگہ خوبی نظر آئے اس کو اپناؤ۔ لیکن برائیوں سے دور رہنا چاہیے۔

اپنی امتیازی شان برقرار رکھنی چاہیئے اسی میں عزت اور قومی وقار ہے اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی بیرونی حکومت کا ایک سفیر حضرت عمر فاروق رضؓ خلیفہ دوئم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا۔ مدینہ میں پہنچ کر اس نے پوچھا کہ آپکے بادشاہ کے محلات کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا، ہمارا بادشاہ نہیں ہوتا، امیر ہوتا ہے وہ مسجد میں ہوگا، مسجد میں جاکر دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا امیر کہاں ہے؟ لوگوں نے ایک طرف اشارہ کرکے کہا کہ ابھی ابھی اس طرف نکل گیا ہے۔ سفیر اپنے ہمراہیوں سمیت اس طرف چل پڑا۔ وہاں دیکھا کہ حضرت امیر المومنین رضؓ پتھر کا سرہانہ بنا کر ایک کھجور کے نیچے مزے سے سو رہے ہیں کسی نے کہا، ہمارے امیر وہ سو رہے ہیں۔ اس شخص نے جب حضرت عمر فاروق رضؓ کو اس حال میں دیکھا تو وہ کانپ اٹھا اور اس کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ اے عمرؓ تو نے انصاف کیا، اس لئے آرام کی نیند سو رہا ہے ہمارے بادشاہ ظلم کرتے ہیں اس لئے ان کو کہیں آرام اور چین نہیں ملتا۔ یہ بظاہر ایک معمولی۔۔۔ واقعہ ہے لیکن اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنی تہذیب، اپنے تمدن اور اپنی روایات کو برقرار رکھنے سے کس قدر عزت ملتی ہے اور دنیا اس سے کتنی مرعوب ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ ہمیں دوسروں کی ریس اور نقالی صرف اچھی باتوں میں کرنی چاہیئے، بری باتوں میں نہیں یہی بلند ہمت، باعزم اور باوقار قوموں کا اصول ہے ؂

(۴۹)

قرآن کریم میں اکثر ایمان کے ساتھ تقویٰ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا عام ترجمہ پرہیز گاری کیا جاتا ہے تقویٰ کے یہ بھی معنی ہیں کہ انسان مضر چیزوں سے بچتا ہے اور مفید چیزوں کو اپنائے اور اس لفظ کے وہ معنی بہت ہی خوبصورت ہیں جو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کیئے ہیں ان سے جب پوچھا گیا کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم کو کانٹوں کے جنگل میں چلنا پڑے۔ تم کس طرح چلو گے؟ سائل نے جواب دیا کہ بہت احتیاط کے ساتھ دامن سمیٹ کر کہ کہیں کانٹوں میں نہ اُلجھ جاؤں۔ اس صحابی ؓ نے فرمایا کہ بس یہی تقویٰ ہے اس دنیا کو کانٹوں کا جنگل سمجھو اس میں سے تم نے اپنا راستہ بنا کر نکل جانا ہے لہذا کانٹوں سے بچتے رہو اور صاف ستھری جگہوں پر قدم رکھو، یہی مسلمان کی شان ہے وہ ہر کام حزم و احتیاط سے کرتا ہے۔ اپنا نفع نقصان بھی دیکھتا ہے اور دوسروں کا بھی، کیونکہ وہ دوسروں کے مفاد کا بھی محافظ ہے۔ حضرت سرورِ دو عالمؐ کا ارشاد ہے سب سے اچھا وہ انسان ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے۔ ایک کہاوت یا عام روایت ہے کہ جنّت اور جہنم کے درمیان ایک پُل ہے جس کو پُل صراط کہتے ہیں۔ یہ پُل بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے جنتی لوگ اسی پُل سے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور بدکار لوگ کٹ کٹ کر جہنم میں گرتے جائیں گے۔ یہ ایک مثال ہے مومنانہ فراست اور مومنانہ حزم و احتیاط کی کہ مومن اس طرح ہوشیاری اور احتیاط سے چلتا ہے کہ اگر اُسے تلوار کی دھار پر بھی چلنے کو کہا جائے تب بھی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ قرآنِ پاک کے شروع میں ہی کہا گیا کہ قرآن متقی لوگوں

کی رہنمائی کرتا ہے اور متقی وہ ہوتے ہیں جو دل سے خدا کے احکام پر ایمان لاتے ہیں نمازیں قائم کرتے
ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا اُس میں سے خدا کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ اس میں وہ تمام قویٰ
آتے ہیں جو قدرت نے انسان کو عطا کئے ہیں۔ صحت، طاقت، عقل، علم، بردباری وغیرہ، یہ سب چیزیں
خدا کی دین ہیں۔ بندۂ مومن اپنے مال و دولت کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کو بھی مخلوق خدا کی بھلائی
کے لئے خرچ کرتا ہے اگر ایک بینا ایک اندھے کا ہاتھ پکڑتا ہے اس کی رہنمائی کرتا ہے یہ بھی خدا
کی دی ہوئی بینائی کا صحیح استعمال ہے۔ انسان کو دماغ ملا ہے وہ اس سے جس طرح اپنے
لئے بھلا سوچتا ہے اسی طرح دوسروں کی بھلائی کو بھی مدنظر رکھتا ہے یہ بھی نیکی ہے۔ الغرض
انسان چاہے تو قدم قدم پر نیکی کر سکتا ہے۔ قدم قدم پر بدی سے دور رہ سکتا ہے اور اسی
طرح انسانیت کا وہ بلند اور اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے جو انسان کو اشرف المخلوقات کے
درجہ پر پہنچاتا ہے۔ اگر وہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو غلط رنگ میں استعمال کرتا ہے تو وہ
دائرہ انسانیت سے ہی نکل جاتا ہے۔ حضرت بانیٔ اسلام علیہ التحیہ والسّلام فرماتے ہیں جو
دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ اُس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ مختصر یہ کہ مسلمان متقی ہوتا ہے وہ نیکی
مجسم ہوتا ہے اس کا ہر فعل اور ہر قول خدا کے احکام اور فطرت کے اصولوں کے تابع ہوتا ہے
وہ طاقت کے گھمنڈ میں دوسروں کو دکھ نہیں دیتا۔ وہ دولت کے نشے میں دوسروں کو ستاتا
نہیں۔ وہ علم کے بھروسے پر دوسروں کی حقارت نہیں کرتا بلکہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ
قدرت نے جو کچھ مجھے دیا ہے اس میں دوسروں کا حصہ بھی ہے لہٰذا وہ اپنا حق خود لیتا ہے اور
دوسرے کا حق ان کو دیتا ہے یہی انسانیت کا وہ بلند مقام ہے جس کے لئے امّتہ مسلمہ کو چُنا
گیا ہے۔ پس ہمارا ہر فعل، ہمارا ہر قول، ہماری ہر حرکت اور ہمارا ہر سکون تقویٰ کے اصول
پر قائم ہونا چاہیئے۔ اسلام کا اقرار کرتے وقت ہم یہی عہد کرتے ہیں کہ ہماری نمازیں، ہماری
قربانیاں، ہماری زندگی اور ہماری موت خدا کے لئے ہوگی ہم اگر کسی کے ساتھ محبت کرتے ہیں
تو خدا کے لئے اور اگر کسی سے ناراض ہوتے ہیں تو خدا کے لئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور

واقعہ ہے کہ وہ ایک دشمن سپاہی کو اس کی بدکرداری کی وجہ سے قتل کرنا چاہتے تھے جب انہوں نے
اس شخص کو نیچے گرایا اور سینے پر چڑھ کر تلوار کا وار کرنے لگے۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوکا۔
حضرت علیؓ اس کی چھاتی سے اتر گئے اور تلوار نیام میں ڈال دی۔ اس شخص کو تعجب ہوا کہ آپ مجھے
قتل کرنا چاہتے تھے۔ اب کیوں چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس لئے قتل کرنا چاہتا
تھا کہ تم خدا کے دشمن تھے۔ جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تو میں نے سوچا کہ اب اگر اس شخص کو قتل
کیا جائے تو یہ ذاتی انتقام ہوگا۔ ہم مسلمان جو کچھ کرتے ہیں اس کے حکموں کے ماتحت کرتے ہیں
ذاتی انتقام نہیں لیتے اسی لئے میں نے تم کو چھوڑ دیا ہے۔

آزاد کی دولت دل روشن نفسِ گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نم ناک
محکوم ہے بیگانۂ اخلاص و مروّت
ہر چند کہ منطق کی دلیلوں میں ہے چالاک
ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہمدوش
وہ بندۂ افلاک ہے یہ خواجۂ افلاک

۵۰

انسانی معاشرہ کے مختلف شعبوں میں کچھ عملی لین دین ہوتے ہیں۔ کچھ وعدے وعید ہوتے ہیں۔ کچھ خیر سگالی اور خوشنودی کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے کچھ باتیں ہمدردی اور مواسات کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ جن پر اس سلسلہ مضامین میں اپنی اپنی جگہ بحث ہوتی رہی ہے اس وقت ہم وعدوں اور قول قرار کے بارے میں چند الہی احکام، حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ہدایات اور بعض انسانی فطرت کے تقاضوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں وعدہ کرنا اور وعدہ نبھانا بھی قومی دیانت کا ایک حصہ ہے۔ جب ہم کسی شخص سے وعدہ کرتے ہیں تو اس کی توقع یہی ہوتی ہے کہ اس وعدہ کو پورا کر کے میرا حق ادا ہوگا اور انسانی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ ایسے معاملات میں ایک دوسرے پر بھروسہ رکھتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں تاکید کی گئی ہے کہ وعدہ کر کے اس کو ضرور نبھانا چاہیئے کیونکہ وعدوں کے متعلق بھی انسان سے آخرت میں پوچھا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسانی اعمال دو طرفہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک اُن کا دنیاوی رُخ ہوتا ہے، اور ایک اُخروی۔ اس لئے ہمارے اعمال کے کچھ نتیجے اس دنیا میں بھی نمودار ہوتے ہیں اور کچھ اخروی زندگی میں۔ اگر ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ یا ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ وعدہ کر کے اس کا ایفا نہیں کرتی تو اس کی عزت و وقار کو سخت دھچکا لگتا ہے لوگ ایسے انسان یا ایسی قوم کو بدعہد گردانتے ہیں اور کسی معاملہ میں اس پر بھروسہ نہیں کرتے۔ یہ بات

دنیاوی زندگی میں انسان کو کئی بھلائیوں سے محروم کر دیتی ہے۔ اسی لئے حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کبھی بد عہد نہیں ہوتا، بلکہ مسلمان کا وعدہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسے دست بدست سودا کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو اپنے وعدوں کا کس قدر لحاظ ہونا چاہیئے اور اس کو اپنی عزتِ نفس اور عزت و احترام برقرار رکھنے کی خاطر وعدوں کو نبھانے میں کیسی چستی سے کام لینا چاہیئے تاکہ اس پر بد عہدی کا الزام عائد نہ ہو۔ اس زمانہ میں بین الاقوامی وعدوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے پرانے زمانے میں بھی بین الاقوامی معاہدے ہوتے تھے اور ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، البتہ وقتی مفاد کو سامنے رکھنے والے لوگ عہد و پیمان کی قدر نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے اُن کا وقار خاک میں مِل جاتا تھا۔ قرآنِ کریم نے سختی کے ساتھ بد عہدی سے روکا ہے اور تاکید کی ہے کہ اگر تم کسی قوم کے ساتھ وعدہ کرو تو اس کو پوری مدت تک نبھاؤ۔ اگر تمہاری حلیف قوم وعدوں کی خلاف ورزی کرتی ہے تو اس کو اپنے وعدے یاد دلاؤ تاکہ وہ اس معاشری بدعہدی سے باز آجائے اور اگر وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان کو برملا کہہ دو، چونکہ تم لوگوں نے عہدو پیمان کا احترام نہیں کیا اُس کے مضمرات کو پورا نہیں کیا اس لئے ہم بھی ضرورت پڑنے پر تمہارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ پھر فرمایا، عہد و پیمان پر وہی لوگ قائم رہتے ہیں جو شرفِ انسانی میں یقین رکھتے ہوں جن کو یہ احساس ہو کہ عہد شکنی دوہری سزا کی مستوجب ہوتی ہے جن لوگوں کا خدا پر بھروسہ اور یقین نہیں جو دنیا کے کیڑے ہیں۔ بھلا اُن کو عہد و پیمان اور اس کے تقدس کی کیا پروا۔ وہ تو وقتی مفاد کو دیکھتے ہیں اور اس کے مطابق ہوا کے رُخ کے ساتھ بدل جاتے ہیں حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکّہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے نام سے ایک عہد نامہ کیا جس کی اکثر شرائط قریشِ مکّہ کے حق میں جاتی تھیں۔ جن پر بعض حساس مسلمانوں نے احتجاج بھی کیا۔ جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے واپس مکّہ آئے تو قریشِ مکّہ اس کو واپس نہیں کریں گے، اگر کوئی مسلمان مکّہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ چلا جائے تو اس کو فوراً واپس کیا جائے گا۔ یہ شق مسلمان ہونے والوں کے لئے سخت تکلیف دہ تھی کیونکہ قریشِ مکّہ

ان لوگوں کو اختلاف عقائد پر سخت اذیت دیتے تھے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ امن کے لئے یہ شرط بھی قبول فرمائی۔ اور جب مسلمانوں کی ایک جماعت قریش مکّہ کی چیرہ دستیوں سے بچنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ اس عہد نامہ کی خلاف ورزی ہے جو ہم نے قریش مکّہ کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ ان مسلمانوں کو سخت اذیت دی جاتی ہے اور ان کی یہ اذیت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار تھی لیکن چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا، اس لئے آپ نے اِن مہاجرین کو واپس جانے اور انسانیت کے راستہ میں دُکھ سہنے کی تلقین فرمائی ؛

بہت ہم ہیں اور تم میں جوہر ہیں مخفی

خبر کچھ نہیں ہم کو نہ تم کو ہے۔ جن کی

اگر جیتے جی ان کی کچھ نہ خبر لی

تو ہو جائیں گے مِل کے مٹّی میں مٹّی

یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی

مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

(۵۱)

ہماری یہ دنیا بھی بہت بڑی اور وسیع ہے جسطرح اسمیں مختلف رنگوں، مختلف شکلوں اور مختلف خاصیتوں کی چیزیں نظر آتی ہیں جو فی الحقیقت اس دنیا کو رہنے کے قابل بناتی ہیں یا جن پر اس دنیا کے حسن وجمال کا دارومدار ہے۔ اسی طرح انسان بھی مختلف خاصیتیں، مختلف شکلیں، مختلف زبانیں اور مختلف صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ سوچئے تو سہی اگر اس دنیا میں دریا، چشمے، جھیلیں، آبشاریں اور سمندر نہ ہوں تو انسان اور حیوان کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔ نباتات کو کیسے نشوونما اور سرسبزی ملے یا اگر ہرے سے پہاڑ، جنگل اور درخت نہ ہوں تو یہ دنیا کیسی بدصورت معلوم ہو۔ باغات، پھل، پھول اور اناج کے پودے نہ ہوں پھر بھی یہاں جینا محال ہو جائے۔ یہی حال انسانی فرقوں اور طبقوں کا ہے دنیا میں اربوں انسان بستے ہیں ہر ایک میں اپنی ایک خوبی اور صلاحیت ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں اس دنیا اور اس کی زندگی کو خوبصورت بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ کام کرتا ہے کسی کو قدرت نے عقل دی ہے کسی کو علم دیا ہے، کسی کو دولت دی ہے کسی کو طاقت دی ہے کسی کو عزت و عظمت دی ہے جب ان سب خوبیوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے تو زندگی میں رونق آجاتی ہے اور اس دنیا میں رہنے میں لطف آتا ہے لیکن یہ لطف اسی وقت دوبالا اور دیرپا ہو جاتا ہے جب انسان میں تعصب، تنگ نظری اور تنگ دلی نہ ہو۔ اگر ہم ایک دوسرے سے روٹھ کر بیٹھیں۔ ایک دوسرے کو برا سمجھیں، ایک دوسرے سے نفرت کریں۔ ایک دوسرے کی بات نہ سنیں تو زندگی میں حسن پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ

انسان سب برابر ہیں۔ سب آدم و حوّا کی اولاد ہیں۔ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، اچھا آدمی وہ ہے جس کا کردار اچھا ہو جو خدا کے حکم پر چلے جو فطرت کے قوانین کو مدِنظر رکھے جو انسانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ بڑوں کی عزت کرے۔ چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر قوم کے معزز لوگوں کی عزت کرو۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا۔ وہ آدمی کتنا بُرا ہے جو اپنے باپ کو گالی دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضؓ نے تعجب سے پوچھا۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو باپ کو گالی دیں۔ آپؐ نے فرمایا جو دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے وہ لامحالہ اُس کے باپ کو گالی دے گا۔ اس طرح گویا اُس نے خود اپنے باپ کو گالی دی، مختصر یہ کہ یہ دنیا مِل جل کر رہنے کی جگہ ہے۔ ایک دوسرے کی خوبیوں کو اپنانے کی جگہ ہے اگر ہم ایک دوسرے سے مُنہ پھیر کر بیٹھیں، ایک دوسرے کی بات نہ سُنیں۔ ایک دوسرے کی بات کو اس وجہ سے کوئی وقعت نہ دیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس سے انسان کنویں کا مینڈک بن کر رہ جاتا ہے وہ کئی اچھی باتوں سے کئی مفادات سے اور کئی خوبیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے چین ایسے دُور دراز ملک میں بھی جانا پڑے۔ مسلمان ان احکام پر دل و جان سے عمل کرتے تھے وہ علم حاصل کرنے کے لئے کالے کوسوں کا سفر کرتے تھے۔ اِسی لئے وہ بہت کم عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئے اور دنیا میں نام پیدا کیا ہر میدان میں ترقی کی، یہاں تک کہ یورپ کے محقق اور عالم آج بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ سیکھا ہے عرب کے بدوؤں سے سیکھا ہے۔ اب اگر ہم آنکھیں بند کر کے کنویں کے مینڈک بن جائیں تو اس کا انجام قومی پس ماندگی اور زوال ہو گا۔ ہمارے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عقل مندی کی بات مسلمان کی گمشدہ جائداد ہے وہ جہاں بھی ملے اس کو حاصل کر کے اپنے قبضہ میں کر لو، یہ اس لئے فرمایا کہ مسلمان کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکموں پر چلتا ہے اور قدم قدم پر فطرت کے اصول اور قانون کو سامنے رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ آگ کی خاصیت جلانا ہے اس لئے وہ اس میں بے سوچے سمجھے ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ

اسس کو چولہے، تنور اور انجن کے ذریعہ قابو کرکے اس سے مفید کام لیتا ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے کہ بعض لوگوں اور بعض قوموں میں ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو اچھی نہیں کہلا سکتیں لیکن اس کے باوجود وہ اُن لوگوں اور ان قوموں میں بھی خوبیاں تلاش کرتا ہے اور ان کو اپناتا ہے ان پر عمل کر کے فائدہ اٹھاتا ہے ہمیں بھی اپنے اندر یہ خوبی پیدا کرنی چاہیئے کہ ہم شہد کی مکھی کی طرح ہر ملک اور ہر قوم کی اچھی باتوں کو اکٹھا کریں اور ان سے ایک ایسا شہد تیار کریں جو تمام بیماریوں کا علاج ہو، قومیں نہ تو ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر ترقی کرتی ہیں اور نہ دوسروں کی بُرائیوں کو اپنا کر، اس لئے ہمیشہ دوسروں کی خوبیوں کو اپناؤ۔

کھُلا جب چمن میں کتب خانہ گل
نہ کام آیا مُلّا کو علمِ کتابی
متانت شکن تھی ہوائے بہاراں
غزل خواں ہوا پیرکِ اندرابی
کہا لالۂ آتشیں پیرہن نے
کہ اسرارِ جاں کی ہوں میں بے حجابی

(۵۲)

معاشرہ کی بُرائیوں اور بداعتدالیوں میں اسراف اور لالچ کو بھی ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس سے جہاں انسان کی کمائی کو گھن لگ جاتا ہے وہاں قومی معیشت اور سرمایہ کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسراف و اعتدال لالچ اور حق جوئی اضافی اور نسبتی اُمور ہیں تاہم ہم اِن افعال میں اتنے دُور نکل جاتے ہیں کہ اضافت اور نسبت ناپید ہوجاتی ہے۔ اسراف اور حرص و آز کے اسباب کچھ تو ہمارے پیدا کردہ کم و رواج ہیں۔ کچھ دوسروں کی نقالی اور کچھ حرص و آز مثلاً ہم نے شادی بیاہ، غمی اور خوشی کی تقریبات کے لئے ایسے رسم ورواج اپنائے ہیں جن کا ہماری قومی تاریخ اور کردار کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ ہم جہیز اور دعوتوں پر اس فراخدلی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں جو جنون اور دیوانگی کی حد تک جاتا ہے۔ حالانکہ ہماری قومی تاریخ اور کردار میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ مسلمان ہمیشہ شادی بیاہ اور اس کی تقریبات نہایت سادگی سے انجام دیتے رہے ہیں۔ اکثر مساجد میں نکاح ہو جاتے تھے۔ دلہن کے لئے جائز سا مہر مقرر کیا جاتا تھا اور دولہا کو اپنی بساط کے مطابق دعوتِ ولیمہ کا پابند کیا جاتا تھا۔ اس دعوت میں بھی بعض اوقات عزیز واقارب گھروں سے کھانے کر آتے تھے اور شادی والے گھر میں اکٹھے بیٹھ کر کھالیا کرتے تھے جس سے کسی فریق پر ناجائز بوجھ بھی نہ پڑتا تھا اور باہمی خلوص و محبت کا بھی مظاہرہ ہو جاتا تھا۔ موجودہ خود عاید کردہ پابندیوں میں یہ بات نہیں۔ یہاں ایک ہی گھرانے کو وہ سب

کچھ کرنا پڑتا ہے جو بعد میں ایک ناقابلِ برداشت ابتلا بن جاتا ہے۔ گو اس میں کہیں کہیں امدادِ باہمی تعاون کے نشانات بھی نظر آتے ہیں لیکن رسم و رواج کی پابندی کے مقابل یہ جذبہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ عزیز و اقارب کچھ امداد کرتے ہیں لیکن شادی والے گھر میں اس کے عوض اتنا خرچ کرنا پڑتا ہے کہ امدادِ باہمی کا جذبہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ رہا نقالی کا قصہ اس کی حدود اتنی وسیع ہو چکی ہیں کہ اب غریب لوگ بھی اس کو اپنائے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے اور اس میں سب سے زیادہ حصّہ خواتین کا ہوتا ہے۔ وہ زیورات، کپڑوں اور سامانِ آرائش پر اس قدر خرچ کرتی ہیں کہ مردوں کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ ہر شہر میں زیورات خریدنے والوں کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ گویا زیورات ہی قوم کی عزت اور ناک ہیں۔ اسی طرح رنگا رنگ لباس اور فیشن پر بے دریغ صرف کیا جاتا ہے جس کا سوائے اس کے کوئی مصرف نہیں ہوتا کہ یہ لباس صندوقوں کی زینت بن کر رہ جاتا ہے اور بالآخر دیمک کی خوراک بن جاتا ہے حالانکہ جو رقوم اس طرح بے مصرف ضائع کی جاتی ہیں ان سے ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ سونے چاندی کے زیورات پڑے پڑے اپنی اصل قیمت کھو بیٹھتے ہیں اور جس رقم میں یہ چیزیں حاصل کی گئی تھیں وہ چند سال کے بعد آدھی بھی نہیں رہتی۔ عورتیں ناک رکھنے کے لئے زیورات اور لباس پر بے تحاشا خرچ کرتی ہیں اور یہ رقوم بیکار جاتی ہیں۔ اگر یہی رقوم کو اکٹھی کر کے کسی کاروبار میں لگائی جائیں اس سے خاندانی آمدنی میں بھی اضافہ ہونا ہے گا اور ملکی معیشت کو بھی سہارا ملے گا۔ پاکستان میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنے طبقے کے لئے جگہ جگہ بنک قائم کر رکھے ہیں جہاں سے صبح کو لوگ رقم لے جاتے ہیں۔ دن بھر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ عزت اور حلال کی روزی کماتے ہیں اور شام کو نہایت دیانت داری کے ساتھ بنک کی رقم واپس کر دیتے ہیں۔ لباس اور سامانِ تعیش کے لئے قرآن کا ارشاد ہے کہ لباس سردی گرمی سے بچنے اور ننگ و عار کو ڈھانپنے کے لئے ہوتا ہے اور تقویٰ کا لباس سب سے موزوں ہے۔ لباسِ تقویٰ وہ ہے جو انسان کی حقیقی ضرورت کو پورا کرے۔ یہ نہیں کہ گھر میں بیسیوں جوڑے پڑے ہوتے ہیں نیا کپڑا دیکھا تو فوراً خرید لیا

نیا فیشن دیکھا تو اُس کو اپنایا اور پرانا کیا دھرا بے کار ہوگیا۔ دولت مل گئی تو گھر کے تمام افراد کے لئے الگ الگ کاریں خرید کر رکھ دیں۔ گھر میں بہترین کھانا موجود ہے لیکن کلب اور ہوٹل کے کھانے کے بغیر چین ہی نہیں مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان کنجوس اور مکھی چوس بن جائے۔ خدا فرماتا ہے کہ کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو یہی خدا کی شکر گذاری کا طریقہ ہے۔ زائد رقوم جمع کرو، اُن سے خود فائدہ اٹھاؤ، دوسروں کو فائدہ اٹھانے دو۔ ملکی معیشت اور سرمایہ کو سہارا دو تاکہ ملک و ملت احتیاج سے آزاد ہو کر سر بلند ہو جائے۔ اسراف کو شیطانی فعل کہا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ شیطان انسانی معاشرہ کا دشمن ہے لہٰذا اس کے بہکاوے میں نہیں آنا چاہیئے۔ ہم دوسری قوموں کی نقالی میں اپنا نقصان کرتے ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم کے اپنے ذرائع اور اپنے حالات ہوتے ہیں وہ ان کا ساتھ دینے سے ہی پنپ سکتے ہیں۔ ہمارا بھی ایک اخلاقی آئین ہے زندگی گذارنے کا اپنا ڈھب ہے اور وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ اعلیٰ اور شریفانہ ہے اگر ہم اس طریق زندگی کو چھوڑ کر دوسروں کی نقالی کرتے رہے اس کا اثر ہماری ساری زندگی پر پڑے گا اور اس بدنظمی کا انجام انفرادی، اجتماعی اور ملکی معیشت کی تباہی ہوگا۔

نہ کھانوں میں تھی ان کو تکلّف کی کلفت
نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت
فقیر اور غنی سب کی تھی ایک صورت
لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

۵۳

نفاق، غیبت، چغل خوری، جھوٹ، بد دیانتی ایک ہی اخلاقی بیماری کی مختلف شاخیں ہیں اور یہ بیماری اس قدر تباہ کن ہے کہ اس سے قوموں کی قومیں تباہ ہو جاتیں ہیں سلطنتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ امن عالم ختم ہو جاتا ہے اور ایسے ایسے فسادات بپا ہو جاتے ہیں جن سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ منافق کی یہ علامت بتائی گئی ہے کہ اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے گا۔ جب بات کرے تو اس پر جھوٹ اور فریب کاری کا ملمع چڑھائے گا اور جب ناراض ہو جائے تو گندی زبان اور فحش کلامی سے کام لے گا۔ غیبت یہ ہوتی ہے کہ تم کسی کی پیٹھ پیچھے ایسی بات کہو جو اس کے منہ پر کہنے کی جرأت نہ کرسکو۔ اس مرض کو قرآنِ پاک نے اس قدر غلیظ اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے جس کی انتہا نہیں۔ فرمایا کہ ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ یہ ایک ایسا مکروہ فعل ہے گویا تم اپنے مردہ بھائی کی نعش نوچ نوچ کر کھا رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی صحیح الدماغ انسان ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ یہی حال چغل خوری، جھوٹ اور بد دیانتی کا ہے۔ یہ سب چیزیں انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا داغ بن کر چمٹ جاتی ہیں۔ ایک جھوٹ اور نفاق کو چھپانے کے لئے ہزاروں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں ہزاروں نفاق کرنے پڑتے ہیں پھر بھی انسان کا دل اور ضمیر مطمئن نہیں ہوتا۔ اُسے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ میرا جھوٹ کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو جائے گا۔ اسی لئے اس کو ہر وقت اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے مکر اور فریب کاری سے کام لینا پڑتا ہے لیکن تابہ کے۔ ایک وقت

ایسا آتا ہے کہ اس کی ساری فریب کاری عریاں ہو جاتی ہے اور اُسے سب کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان ان بیماریوں میں کیوں مبتلا ہو جاتا ہے محض اس لئے کہ وہ دوسرے کو دھوکا دے کر ناجائز فائدہ حاصل کرے یا اپنی بڑائی کا دم بھرے۔ لیکن ایک وقت آتا ہے کہ یہ سارا ملمعٔ اتر جاتا ہے انسان کی عزت جاتی رہتی ہے۔ اس پر کوئی بھروسہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ عدالتوں میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ وہ معاشرہ میں اچھوت بن کر رہ جاتا ہے۔ اس قسم کے حربے زیادہ تر کاروباری زندگی میں یا سیاسی تحریکوں میں استعمال کئے جاتے ہیں تاکہ اس طرح ناجائز نفع کمایا جائے۔ یا اپنے مدِمقابل کو بدنام کیا جائے ہو سکتا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ انسان ایسے مکروہ حیلے استعمال کر کے کامیاب بھی ہو جائے لیکن یہ کامیابی وقتی ہوتی ہے اور اس کے لئے بعض اوقات بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہوتے ہیں یعنی

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

ان باتوں سے انسان کی عزّت بھی جاتی رہتی ہے اور وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوتا جس کی خاطر وہ اپنے منہ پر کالک ملتا ہے، غیبت، چغل خوری، جھوٹ اور بددیانتی کی نجاست پر منہ مارتا ہے اس کے برعکس سچا انسان خواہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا اس کی عزت کرتی ہے اور مشکلات میں اس کے کام آتی ہے۔ اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آخر گناہ کیا ہوتا ہے؟ حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) گناہ کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، گناہ وہ ہے جس سے تمہارے دل میں اضطراب پیدا ہو، تمہارا ضمیر تمہیں ملامت کرے۔ یہ بات ہر شخص کے تجربے میں آتی ہے کہ چور چوری کرتا ہے۔ بدکار بدی کرتا ہے شرابی شراب پیتا ہے۔ وہ یہ سب کام اندھیرے میں کرتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی یہ کام کرتے ہوئے دیکھ نہ پائے۔ گویا ان کا دل اور ضمیر ان کو ملامت کرتا ہے کہ تم جو کام کر رہے

ہو، وہ اعلیٰ انسانی اقدار کے خلاف ہے وہ اخلاقی لحاظ سے ناپسندیدہ ہے وہ قانونی لحاظ سے جرم ہے۔ لہٰذا تم نے یہ کام کر کے اپنا بُرا کیا۔ معاشرہ کا بُرا کیا۔ انسانیت کا بُرا کیا۔ اس گناہ کی ساری لذّت عذاب اور اضطراب میں تبدیل ہو جاتی ہے اس اصول کے ماتحت دیکھئے جب کوئی شخص منافقت سے کام لیتا ہے دوسرے کی چغلی کرتا ہے، غیبت کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، مکر و فریب سے کام لیتا ہے، بد دیانتی کرتا ہے۔ کیا اس کا دل اور ضمیر مطمئن ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ اپنے ان افعال کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگوں کے سامنے خود بخود اس کی نظریں جھک جاتی ہیں اور وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ابھی ابھی بڑا جرم کر کے آیا ہے جس کو دوسرے محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں نہ ہمّت و جرأت رہتی ہے اور نہ وہ کسی بڑے کام میں ہاتھ ڈال کر عزّت حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان تمام باتوں سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے تاکہ انسان کا دل اور ضمیر زندہ رہے اس میں ہمّت مردانہ اور جرأت برقرار رہے اور وہ جس کام میں ہاتھ ڈالے اس کو بہادری اور بلند ہمتی کے ساتھ پورا کرے۔ منافق، چغل خور، غیبت کرنے والا، جھوٹا اور بد دیانت بزدل ہوتا ہے۔ بزدلی کی سزا ناکامی اور نامرادی ہے۔

⁂

تغلّب میں بد دیانتی میں دغا میں
نمود اور بناوٹ، فریب اور ریا میں
شکایت میں، بہتان میں، افترا میں
کسی بزم میں بیگانہ و آشنا میں
نہ پاؤ گے رسوا و بدنام ہم سے
بڑھے پھر نہ کیوں شانِ اسلام ہم سے

۵۴

چوری بین الاقوامی معاشرتی بُرائی شمار ہوتی ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم میں ناجائز طور پر دوسرے کی چیز پر قبضہ کرنے اور اس کو استعمال کرنے کو جرم خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ بعض تہذیب نادیدہ ممالک میں جن کو ابھی تک وحشی اور جنگلی سمجھا جاتا ہے لوگ اس بُرائی سے اتنے خائف ہیں کہ کسی کو اپنی کوئی مملوکہ چیز تالے میں یا چھپا کر رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ہر ایک کا مال و اسباب جس میں قیمتی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ کھلا پڑا ہوتا ہے اور وہاں آس پاس کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا، اس کے باوجود کوئی شخص یہ جرأت نہیں کرتا کہ اپنے مطلب کی کوئی چیز بغیر پوچھے اٹھا کر لے جائے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چوری ایک ایسا معاشری جرم اور عیب ہے جس کو نامہذب لوگ بھی بُرا سمجھتے ہیں۔ غالباً چوری کے اِسی گھناؤنے پن کی وجہ سے اسلام نے اس کی ایسی سزا مقرر کی ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی کو چوری کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی اور اگر ایک دفعہ چوری کرے تو اس کو ایسی سزا دی جاتی ہے کہ آئندہ وہ جہاں سے گزریگا لوگوں کو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص چور ہے لہٰذا اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعید میں ایک اُونچے خاندان کی کسی عورت نے چوری کی۔ جرم ثابت ہونے پر بعض اُمرا اس کی خاندانی وجاہت کی وجہ سے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفارشی بن کر آئے۔ آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دوں گا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

چوری کتنا گھناؤنا فعل ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس فعل سے سختی کے ساتھ روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت' ان کے ہاتھ کاٹ دو تاکہ ان کو بھی اپنے کیئے کی پوری سزا ملے اور دوسروں کو بھی عبرت ہو۔ آپ روز اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں چور چوری کی سزا بھگت کر جیل سے نکلا اور جیل سے نکلتے ہی فلاں مکان میں گھس گیا وہاں سے اس قدر سامان چرایا۔ ساتھ ہی بعض اوقات یہ تفصیل بھی دی ہوتی ہے کہ یہ شخص درجنوں مرتبہ چوری کے جرم میں جیل جا چکا ہے اس کے باوجود جیل سے نکلتے ہی پھر اپنا دھندا شروع کرتا ہے اس بُری مرض کے اسی گھناؤنے پن کی وجہ سے اسلام نے اس کی ایسی عبرت ناک سزا تجویز کی ہے کہ دوبارہ کسی کو چوری کرنے کی جرأت نہ ہو۔

ہر بُرائی، بُرائی ہے اور اس سے دور رہنا انسانی اخلاق اور روحانی قدروں کا تقاضا ہے ـــــــــ تاہم بعض بُرائیاں ایسی ہیں جن سے فوری طور پر دوسرے لوگ متاثر ہوتے ہیں اور وہ اپنا ضیاع محسوس کرنے لگتے ہیں اُن میں سے چوری بھی ہے۔ ایک انسان دن رات محنت کر کے خون پسینہ ایک کر کے اپنے آرام کے لئے کچھ مال حاصل کرتا ہے اور دوسرا بغیر کسی استحقاق کے بلا وجہ اس پر قبضہ جماتا ہے اور اصل مالک کو اس کے مفاد سے محروم کرتا ہے جو یقیناً بہت بُری بات ہے۔ اسلام میں دوسروں کا مال کسی رنگ میں بھی کھانا گناہ اور جرم ہے وہ خواہ سود کے رنگ میں ہو، گراں فروشی کے رنگ میں ہو۔ ذخیرہ اندوزی کے رنگ میں ہو۔ رشوت کی صورت میں ہو یا بد دیانتی کی شکل میں۔ الغرض اسلام نے کسی صورت میں دوسرے کے حق میں دست اندازی کی اجازت نہیں دی ہے اور بار بار تاکید کی ہے کہ ایک دوسرے کے اموال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔ اس احتیاط کے پہلو کو اس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اگر راستہ میں کوئی چیز گری پڑی ملے اس کو اٹھاؤ۔ اس کے مالک کو تلاش کر کے اس کے حوالے کر دو اور اگر مالک نہ ملے تو اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کر کے کسی محتاج کو دے دو، لیکن خود استعمال نہ کرو، اس کے برعکس اگر ایک شخص بد دیانتی سے دوسرے کا مال چراتا ہے اور اس کو اپنے

مصرف میں لاتا ہے وہ کس قدر بد دیانت کہلانے کا مستحق ہے اور اس کی سزا کتنی ہونی چاہیئے چوری سے ایک تو ایک شخص کا نقصان ہوتا ہے۔ دوسرے معاشرے میں بداعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے چور کا اپنا ضمیر مرجاتا ہے۔ چوتھے اس فعل شنیع کی وجہ سے اکثر باہمی چپقلشیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں الغرض ایک چوری کی وجہ سے معاشرہ میں کئی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے دُور رہنا معاشرے کی تطہیر کے لئے ضروری ہے۔ اسلامی اصول کے مطابق حق اللہ تو خدا معاف کرتا ہے لیکن بندوں کا حق معاف نہیں کیا جاتا۔ اس لئے کہ اسلام ایک ایسا انسانی معاشرہ چاہتا ہے جو ہر قسم کے معائب اور استحصال سے پاک ہو۔ حضرت خاتمیت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے کہ دوسروں کو اس سے پناہ ملے جس شخص میں یہ چیزیں ہوں وہ چور نہیں ہو سکتا۔ وہ دوسروں کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا، وہ معاشرہ میں نکو تہیں بن سکتا۔

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

(۵۵)

افواہ سازی، چغل خوری اور غیبت دنیا کی پرانی معاشرتی بیماریاں ہیں جن کو ناجائز مفاد حاصل کرنے، دوسروں کو نقصان پہنچانے، معاشرہ میں فتنہ و فساد اور بے چینی پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کے استعمال سے بعض اوقات حکومتیں تباہ کی جاتی ہیں۔ قتل و خونریزی کو عام کیا جاتا ہے، لوٹ، کھسوٹ اور غارت گری کو ہوا دی جاتی ہے۔ قوموں کے دلوں میں نفرت اور دشمنی کا بیج بویا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا غیر اخلاقی اور غیر انسانی حربہ ہے جس سے ملک اور قومیں تباہ بھی ہو سکتی ہیں۔ امن و امان بھی درہم برہم ہو سکتا ہے اور دائمی دشمنی کی بنیادیں بھی پڑ سکتی ہیں۔ اسلام سے پہلے عربوں اور دوسری غیر متمدن قوموں میں یہ بیماری عام تھی۔ وہ لوگ ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے لئے ایسی زہریلی افواہیں پھیلاتے تھے جن کو سنتے ہی متعلقہ لوگوں کا خون کھول اُٹھتا تھا اور وہ کسی قسم کی تحقیقات کے بغیر ہی ایسے اقدامات شروع کر دیتے تھے جن سے انسانی معاشرہ میں تباہی پھیل جاتی تھی ملکوں کا امن و امان تباہ و برباد ہو جاتا تھا۔ مختلف قومیں آپس میں اس طرح انتقام گیری کے لئے آمادہ ہو جاتی تھیں کہ پھر صدیوں تک اُن کی چپقلش جاری رہتی تھی۔

مسلمانوں پر جو پہلی جنگ ٹھونسی گئی وہ بھی اسی افواہ بازی کا نتیجہ تھی۔ قبائل عرب میں پراپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمانوں نے مکّہ کے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کیا ہے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا ہے۔ حالانکہ اس قسم کی حرکت کا اُمتِ مسلمہ سے کبھی امکان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جو لوگ

اخلاقی قدروں کے اس قدر دل دادہ اور عاشق تھے کہ دوسروں کی معمولی چیز کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے تھے بھلا ان سے یہ توقع کیسے ہو سکتی تھی کہ انہوں نے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کیا اور اُسے لوٹ لیا لیکن چونکہ مقصد مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا۔ اس لئے اس افواہ کو اتنے زور و شور کے ساتھ ہوا دی گئی کہ مکہ اور گرد و نواح کے ایک ہزار سے زیادہ فوجی ماہرین اور جنگ جو بہادر پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور معرکہ بدر گرم کیا، قدرت نے افواہ بازوں کو عبرتناک سزا دی اور یہ فتنہ مسلمانوں کی تقویت اور بلندی وقار کا باعث بنا۔

اسلام نے اپنے معتقدوں کو افواہ بازی، چغل خوری اور غیبت سے سختی کے ساتھ روکا ہے اور اس سلسلہ میں یہ کہہ کر واضح احکام دیئے ہیں کہ جب تمہارے پاس اس قسم کے بدکردار لوگ جھوٹی افواہیں لے کر آئیں تو اُن کی پوری تحققات کیا کرو، مبادا تمہارے ہاتھوں کسی بے گناہ کو نقصان نہ پہنچے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے ذہن میں ایک نقشہ تیار کرتا ہے اور بلا سوچے سمجھے اس پر عمل کرتا ہے اس کے متعلق فرمایا کہ جب کوئی تمہیں السّلام علیکم کہہ کر مخاطب کرتا ہے اُسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو تم کسی مخالف اور دشمن جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت خالد بن ولید کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ ایک جنگی مجرم کا تعاقب کر رہے تھے جب آپ نے اس مجرم پر قابو پالیا اور اس کا سر قلم کرنے لگے تو اُس نے کلمہ لاالٰہ الا اللہ پڑھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ میں مخالف نہیں بلکہ مسلمان ہوں۔ حضرت خالد بن ولید چونکہ اُس کو دشمن سمجھتے تھے لہٰذا اُسے قتل کر دیا۔ جب یہ واقعہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا، آپؐ نے بُرا منایا۔ اور حضرت خالد کو یہ کہہ کر تنبیہہ کر دی۔ "کیا تم نے اُس شخص کا دل چیر کر دیکھا تھا"۔ مطلب یہ کہ مسلمان کو اپنے ذہنی تصور کی وجہ سے بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے۔ اسی طرح چغل خوری اور غیبت سے بھی منع کیا گیا ہے اور ان تمام چیزوں کو معاشری بُرائیوں اور اخلاقی کمزوریوں کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

موجودہ زمانے میں غلط پراپیگنڈا افواہ بازی کو ایک آرٹ سمجھا جاتا ہے اور اس کے لئے

باقاعدہ محکمے قائم کئے جاتے ہیں۔ قوموں اور ملکوں کی کش مکش کے سلسلہ میں اس غیر انسانی اور غیر اخلاقی حربہ سے دل کھول کر کام لیا جاتا ہے سیاسی جماعتیں عام طور پر ایک دوسرے کے خلاف یہ حربہ استعمال کرتی ہیں جس سے ملک و ملت کو پریشانی سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ فتنہ و فساد بھی ہوتا ہے ملک کے معاشری نظام کو بھی نقصان پہنچتا ہے لوگ اس جرم کا ارتکاب آرٹ سمجھ کر کرتے ہیں اس قسم کی افواہیں تیار کی جاتی ہیں جن کا صداقت اور حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ وبا دوسروں کی دیکھا دیکھی ہمارے معاشرے میں بھی عام ہو رہی ہے۔ حالانکہ ہمیں اس قسم کی معاشری اور اخلاقی بُرائیوں سے منع کیا گیا ہے قرآنِ کریم بار بار کہتا ہے کہ مسلمان حق و صداقت کا پرستار ہوتا ہے اس لئے کہ مالکِ کائنات صداقت شعار لوگوں سے محبت کرتا ہے اس تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی اگر ہم جھوٹ افواہ بازی، چغل خوری اور غیبت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ان بُرائیوں کو اپنے لئے مفاد کا باعث سمجھتے ہیں تو یہ چیز ہمارے قومی کردار کے منافی ہے۔ ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کے منافی ہے جن کی ایک مسلمان سے توقع ہو سکتی ہے لہٰذا ہمیں ان معاشری اور اخلاقی بُرائیوں سے کلیتاً دست کش ہو کر وہ راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو ہمارے قومی وقار کے مطابق ہو۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟

(۵۶)

بے ہمتی، بزدلی، خوف اور اپنے نصب العین میں عدم اعتماد جہاں قومی کردار کو داغدار کرتا ہے وہاں اس سے معاشرہ میں بھی طرح طرح کے خطرناک عیوب جنم لیتے ہیں جن میں جھوٹ نفاق، بد دیانتی اور اجتماعی مقاصد اور مفادات میں عدم تعاون شامل ہے جس قوم میں بلند ہمتی، عالی حوصلگی، بے خوفی اور اپنے نصب العین کے ساتھ لگن کا جذبہ اُبھرتا ہے وہ کسی میدان میں شکست نہیں کھاتی۔ ایسی قومیں اگر ایک جگہ ناکام رہتی ہیں تو دوسری جگہ اپنا مقام حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ ان صفات کا دار و مدار نصب العین کی صداقت، بلندی اور اس کے ساتھ دلی وابستگی پر ہوتا ہے۔ جب تک نصب العین بلند نہ ہو اور انسان کو اس پر پورا اعتماد نہ ہو تب تک اُس کے اعمال اور طریق کار میں استقلال اور پختگی پیدا نہیں ہوتی۔ اسی لئے اسلام نے سب سے پہلے عقائد میں پختگی اور خلوص کو کامیاب زندگی گزارنے کے لئے شرط اوّل قرار دیا ہے اور بار بار تاکید کی ہے کہ قرآنِ کریم نے جو صداقتیں دنیا کو دی ہیں ان پر مکمل ایمان رکھو اور اس ایمان پر خلوص کے ساتھ عمل کرو تاکہ تم دنیا اور آخرت میں سربلندی حاصل کر سکو۔ جس طرح ہر سچائی سب سے پہلے پس ماندہ طبقوں کو متاثر کرتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی حقانیت کو بھی سب سے پہلے ان بلند حوصلہ لوگوں نے اپنایا جو بظاہر کمزور، غریب دنیاوی جاہ و حشمت سے محروم، محکوم اور غلام تھے ان لوگوں کو شروع میں انسانیت سوز اذیتیں دی گئیں لیکن ان کے عزم و ایقان میں فرق نہ آیا۔ اس لئے کہ انہوں نے ان صداقتوں

کو دل سے قبول کیا تھا اور وہ یقین رکھتے تھے کہ دنیا چاہے اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔ سچائی کبھی ناکام نہیں ہو سکتی۔ اسی جذبہ کے تحت ان لوگوں نے دُکھ سہے۔ اپنوں اور بیگانوں کے طعنے برداشت کئے، عزیز و اقارب کو چھوڑا اور وطن سے بے وطن ہو گئے، لیکن اس عزم و ہمت کو نہیں چھوڑا جو ایمان کا خاصہ ہے۔ ان کو قدرت کے اس اٹل قانون پر پورا اعتماد تھا کہ اگر تم مومنانہ کردار کا مظاہرہ کرتے رہو گے تو کامیابی اور سربلندی تمہارے قدم چومے گی رؤسائے عرب کو یہ بھی ایک شکوہ تھا کہ حضرت نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا ہے جن کے ساتھ ہم بیٹھنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا لیں تو ہم ان کی محفلوں کو گرما دیں گے جن کا ان کو یہی جواب دیا گیا کہ تم لوگ دنیاوی جاہ و حشمت کے دلدادہ ہو اور ان لوگوں کے دل نورِ ایمان سے منور ہیں یہ اعلیٰ انسانی اقدار کے مقابل کسی چیز کی پروا نہیں کرتے اور نہ دنیا کی کوئی طاقت اِن کو ہراساں کر کے اپنے نصب العین سے ہٹا سکتی ہے لہٰذا تمہاری یہ شان و شوکت ان کے عزم و الیقان کے سامنے ہیچ ہے۔

اسی عزم و ایقان کی پختگی اور بلند ہمتی کے طفیل مسلمان روزِ اول سے موت کے ساتھ کھیلتے رہے دشمن کی تعداد اور تیاری کو خاطر میں نہ لاتے رہے اور سچائی کے راستہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو ٹھوکریں مارتے رہے اور اپنے مقاصد کی آبیاری کے لئے بے خوف و خطر آگے بڑھتے رہے، ان کو ڈراوے دیئے جاتے تھے کہ دشمن تم کو مٹانے کے لئے پوری تیاری میں مصروف ہیں وہ ہنس کر کہتے تھے کہ ہمارا عزم و ایقان پہاڑوں کو اُڑا سکتا ہے اور سمندروں کو خشک کر سکتا ہے یہ دشمن بھلا کیا چیز ہیں وہ ضرورت کے موقعہ پر بغیر کسی تیاری اور بغیر کسی ہتھیار کے بھی میدان میں کود پڑتے تھے اور دشمنان دین کو نیست و نابود کر دیتے تھے۔ اسی بلند حوصلگی کا نتیجہ تھا کہ اندلس میں طارق بن زیاد نے اپنی فوج کے واپسی کے راستے مسدود کر دیئے کہ مسلمان جب قدم آگے بڑھاتا ہے وہ پیچھے نہیں ہٹتا۔ اُس کے لئے دو ہی اعزاز ہیں فتح یا شہادت، ایسا ہی کردار مسلمانوں

نے قادسیہ کے میدان میں پیش کیا اور چند ہی دن کے بعد حیرہ کے مقام پر فتح و نصرت کے پرچم لہرائے۔

کبر و غرور اور بہادری میں زمین و آسمان کا فرق ہے، متکبر اور مغرور لوگ دوسروں کو دکھ دیتے ہیں، بہادر بنی نوع انسان کے ہمدرد اور غمخوار ہوتے ہیں یہی کردار مسلمانوں نے ہر میدان میں اور ہر موقعہ پر ادا کیا۔ جب دشمنوں نے ان کو مٹانے کے لئے منصوبے بنائے ان کو تلوار اٹھانے پر مجبور کیا وہ شیروں کی طرح میدان میں آئے اور جب دشمنوں کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا تو مسلمانوں نے فراخدلی سے ان کو معاف کر دیا۔ رؤسائے مکّہ نے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے تھے ان کا بدلہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کی کھال کھینچ کر بھُس بھر دیا جاتا لیکن فتح مکّہ کے موقعہ پر حضرت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دس ہزار قدوسیوں نے یہ کہہ کر ان لوگوں کے تمام جرم معاف کر دیئے کہ تم سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ تم آزاد ہو یہی مومنانہ شان ہے جس کا ہر مسلمان کو ہر وقت مظاہرہ کرنا چاہیئے اِس لئے کہ مسلمان کا مشن خدا کی زمین کو شر و فساد سے پاک رکھنا ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتا وہ اصولوں کی فتح کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے جان سے درگذر نے کی بھی پروا نہیں کرتا۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

۵۷

محنت سے عظمت ملتی ہے افراد کو بھی، قوموں کو بھی اور ملکوں کو بھی۔ جو لوگ محنت سے جی چُراتے ہیں وہ کئی قسم کی معاشری بُرائیوں کے شکار ہو جاتے ہیں اسلئے کہ احتیاج اور زندگی لازم و ملزوم ہیں اگر ہم اپنی ضروریات مہیا کرنے کے لئے ہمت، محنت اور عزم سے کام نہ لیں تو لامحالہ ہمیں ایسے ذرائع اختیار کرنے پڑیں گے جو مستحسن نہیں کہلاتے، یا پھر معاشرہ پر بوجھ بن کر زندگی گزارنا پڑے گی اور یہ دونوں چیزیں انسانی شرف و وقار کے منافی ہیں۔ ناجائز ذرائع سے زندگی کی ضروریات حاصل کرنا شرعی، اخلاقی اور قانونی لحاظ سے ممنوع ہے اسلام نے بار بار تاکید کی ہے کہ حصول منفعت کے لئے ناجائز طریقے استعمال نہ کئے جائیں۔ اسی طرح گداگری اور دوسروں کے سہارے جینے سے بھی روکا گیا ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ افراد، اقوام اور ملک اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے ان قوتوں سے صحیح کام لیں جو قدرت نے اس مقصد کے لئے ودیعت کی ہیں تاکہ معاشرہ میں کوئی بُرائی پیدا نہ ہونے پائے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا یہ زریں اصول دُنیا کے لئے مشعلِ ہدایت ہے کہ انسان اسی معاوضہ کا حقدار ہے جس کے لئے وہ کوشش اور محنت کرتا ہے پھر ذرا اسلامی عبادات کے اوقات، پابندی اور حسنِ ادائیگی پر غور کیجئے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان کو اوقاتِ کار کا پابند ہونا چاہیئے۔ ہر کام سلیقہ سے کرنا چاہیئے یہ کیفیت نماز کے لئے وضو سے لے کر حج بیت اللہ کی تقریبات تک صاف جھلکتی ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کے طریق کار کی مذمت بھی کی گئی ہے جو نمازوں اور شرعی احکام کی ادائیگی میں سست خرامی سے

کام میں جو ضروریات پوری کرنے کے بغیر محض دکھاوے کے طور پر عبادات کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وقت پر سونے اور سویرے اُٹھنے کی ہدایت کی گئی ہے پھر مضرصحت محنت سے روکا گیا ہے۔ ایک صحابی کے متعلق حضرت ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ وہ دن کو دائمی روزے رکھتا ہے اور راتوں کو عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ حضور نے اس صحابی کو نصیحت فرمائی کہ اسلام انسان پر بار گراں نہیں ڈالتا۔ وہاں عبادت اور آرام کے اوقات مقرر ہیں لہذا تمہیں ان احکام پر عمل کرنا چاہیئے اس لئے کہ انسان کے ذمہ بہت سے فرائض ہیں تمہارے کنبہ کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے باقی حقوق و فرائض کو فراموش کر کے ایک طرف جھکاؤ پیدا کرنے سے معاشرہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو ایک نمونہ بننا چاہیئے تاکہ معاشرہ کے تمام اجزا اپنا اپنا کام کریں اور اس طرح معاشرے میں خوبیاں پیدا ہو جائیں اور یہ زندگی بھی جنت کا نمونہ بن جائے۔ اسلام نے رہبانیت کی بیکار زندگی سے منع کر کے انسان کو جفاکش، باعزم اور باہمت بننے کی تلقین کی ہے جس طرح ایک کنبے کا فرض ہے کہ وہ اپنی سعی و محنت سے اپنی زندگی کو خوشگوار بنائے۔ اسی طرح ایک ملک، ایک قوم کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی معاشی، معاشرتی، اخلاقی، تہذیبی اقدار کو بڑھاوا دینے کے لئے محنت کریں کارخانے پوری پیداوار دیں مشینیں چالو رہیں۔ بیکاروں کو روزگار ملتا رہے ملکی معیشت خود کفیل ہو جائے۔ خیرِ عام کے ادارے چلتے رہیں اور معاشرے کی خوبصورتی قائم رہے۔ دور حاضر میں ہڑتالوں اور خودکشی کا طریق کار اس جفاکشی کی روح کے خلاف ہے جس کی اسلام آبیاری کرتا ہے ان حرکات سے جذبۂ نفرت بڑھتا ہے۔ معاشرہ میں بدنظمی پھیل جاتی ہے سماج دشمن عناصر کو اپنے مذموم ارادے پورے کرنے اور معاشرے کو بگاڑنے کا موقعہ ملتا ہے یہ سب چیزیں خودکشی اور قوم کشی کے مترادف ہیں جن سے اسلام نے سختی سے روکا ہے۔ قدرت نے انسان کو اس لئے مناسب قوتیں عطا کیں کہ وہ اُن سے کام لے کر اپنی حالت بھی سدھارے اور معاشرے کو بھی فائدہ پہنچائے۔ نہ یہ کہ وہ ان قوتوں کو بے کار رکھ کر خود بھی ابتلا میں پھنس جائے اور

دوسروں کو بھی گوناگوں مشکلات اور بُرائیوں میں گرفتار کرائے۔ پس محنت عظمت ہے اس کو حاصل کرنا ہر فرد کا فرض ہے اس کی داغ بیل حضرت ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی غزوۂ خندق کے موقعہ پر رکھی گئی ہے جب رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم خود کدال لے کر پتھر توڑنے اور مٹی کی ٹوکریاں ڈھوتے رہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس میں کوئی عار محسوس نہیں کیا بلکہ اُس کو ایک قومی فخر قرار دیا۔

جتائی انہیں وقت کی قدر و قیمت
دلائی ان کو کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت
ہو فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا

معاشرہ میں حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا اور بڑے چھوٹے کے حقوق کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے اگر اس بات کو نظر انداز کیا جائے تو معاشرے کے بندھن ڈھیلے پڑ جاتے ہیں باہمی تلخی اور شکر رنجی پیدا ہو جاتی ہے جس سے سماج کئی مفید باتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ روابط اس حد تک کمزور ہو جاتے ہیں کہ اس سے کئی ایسی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو انسانی معاشرہ کے لئے تباہی کا باعث بن جاتی ہیں اسی لئے حضرت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان کرنا پڑا کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں یہ روابط خونی بھی ہوتے ہیں۔ ذہنی بھی اور سماجی بھی۔ خونی روابط میں قریبی تعلق ماں، باپ اولاد اور عزیز و اقارب کا ہوتا ہے۔ خالقِ کائنات نے والدین کے دل میں اولاد کے لئے شفقت کا ایک اتنا گہرا جذبہ بھر دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی کسی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے، والدین بچے کو تکلیف سے بچانے کے لئے ہر ایک قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں اسی فطری جذبہ کو سامنے رکھ کر رب العالمین ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی وصیت کی ہے۔ ماں بچے کو جنم دینے اور پرورش کرنے کے سلسلے میں گوناگوں مصیبتیں برداشت کرتی ہے لہٰذا اگر والدین میں سے ایک یا دونوں اولاد کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں تو اولاد کا فرض ہے کہ ان کے ساتھ تلخی سے پیش نہ آئے بلکہ دعائیں کرتا رہے کہ اے خدا میرے ماں باپ پر اسی طرح رحم کر جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی اور مجھے اپنے سائے میں پالا۔ والدین کی اتنی سی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کا بچہ پھلے پھولے، ترقی

کرے، دکھ سے محفوظ رہے اور ہمارے مشن کی تکمیل کرے۔ یہی دُعا حضرت زکریا علیہ السّلام نے خدا سے کی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اولاد بھی والدین کے ان احسانوں کو مدِ نظر رکھے اور ان کے ساتھ وہی سلوک اور برتاؤ کرے جو وہ اس کے ساتھ کرتے رہے ہیں۔

والدین بچے کی جسمانی تربیت کرتے ہیں اور استاد اس کی ذہنی بالیدگی کے لئے سعی و کوشش کرتا ہے اسی وجہ سے اکثر دانش وروں نے استاد کو والدین سے بھی زیادہ مرتبہ دیا ہے خود حضرت رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو تمہیں ایک لفظ بھی پڑھائے وہ تمہارا آقا ہے اس کی عزّت کرنا اور اس کے مرتبہ کو ملحوظ رکھنا تمہارا فرض ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جو لوگ والدین اور استادوں کا احترام نہیں کرتے وہ خواہ نبیوں کی اولاد ہوں یا بادشاہوں کی۔ فقیروں کی اولاد ہوں یا امیروں کی اُن کو دنیا میں کبھی سکھ چین نصیب نہ ہوا بلکہ ان کی اولادوں اور شاگردوں نے اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو انہوں نے اپنے والدین اور استادوں کے ساتھ کیا تھا والدین اور اُستاد بچے کی روحانی اور جسمانی تربیت کرتے ہیں تاکہ وہ دنیا میں بڑا مرتبہ حاصل کریں۔ اس نیک خواہش کا بدلہ یہی ہے کہ ہم بھی ان لوگوں کی عزّت و حرمت کا خیال رکھیں اور ان کے ساتھ وہ سلوک نہ کریں جس سے اُن کے دلوں کو ٹھیس پہنچے۔ والدین اور استادوں کے ساتھ ہی ان لوگوں کی عزّت اور فرمانبرداری ضروری ہے جو نظامِ ملک چلانے کے ذمّہ دار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو اظہار رائے اور حق گوئی کی کھلی اجازت ہے اگر حاکمِ وقت غلط چل رہا ہو اس کی غلطی اس پر واضح کرنا ضروری ہے لیکن اس طرح کہ اس کی عزّت اور ملکی نظام میں خلل نہ آئے۔ اگر اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہو اس کا فوراً اعتراف کرنا چاہیئے اور ضد میں آکر اپنی غلطی پر اڑ نہیں جانا چاہیئے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے امیر کی اطاعت کرو، اس سے نظامِ ملک اور نظامِ معاشرہ درست رہتا ہے اور ملک میں افراتفری نہیں پھیلتی۔ اسلام نے حفظِ مراتب کا سلسلہ اسی حد تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ دوسری قوموں کے بزرگوں، رہنماؤں اور معزز لوگوں کی عزّت کرنے کی تاکید کی ہے قرآنِ کریم میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ دوسروں کے بتوں

کو بھی بُرا نہ کہو۔ مبادا وہ جہالت کی وجہ سے تمہارے خدا کو بُرا کہیں۔ حضرت رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسری قوموں کے بزرگوں اور لیڈروں کی عزت کرو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو معاشرہ میں فتنہ و فساد پیدا ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ باہمی کدورت اور نفرت بڑھ جاتی ہے اور پھر اس سلسلہ میں سچ اور جھوٹ کی تمیز نہیں رہتی۔ جھوٹ، بہتان بازی اور بددیانتی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس سے معاشرہ میں بے شمار بُرائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور سارا نظامِ معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ نظامِ ملک، نظامِ معاشرہ اور باہمی تعلقات کو خوش گوار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خوش اخلاقی، شیریں زبانی اور حسنِ سلوک کو اپنا وطیرہ بنایا جائے اور ہر شخص کے ساتھ اس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق سلوک کیا جائے۔ قرآنِ کریم کا حکم ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کرو جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے ؎

کبھی دریا سے مثلِ موج ابھر کر
کبھی دریا کے سینے میں اُتر کر
کبھی دریا کے ساحل سے گزر کر
مقام اپنی خودی کا فاش تر کر

کتاب — مردانِ حُر
مصنف — میر غلام احمد کشفی صاحب
کتابت — ادارہ "القلم" راولپنڈی
مطبع — روزنامہ جنگ پریس راولپنڈی
تاریخ طبع — جنوری سنہ ۱۹۷۵ء
بار اوّل — ایک ہزار
قیمت — دس ۱۰ روپیہ

ملنے کا پتہ :۔ کشمیر پبلشنگ ہاؤس ڈی ۷۸۲
راولپنڈی

ضروری عرضداشت

میں نے اس کتاب کی اشاعت کے لئے اپنے چند عزیزوں سے قرض حاصل کیا ہے تاکہ یہ سعی نامکمل اُن دوستوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے جو پاکستان میں اسلامی معاشرہ کی ترویج کے لئے آتشِ زیرپا ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ حضرات جو اسلامی نظامِ حیات کے قیام اور نئی نسل میں اسلامی طرزِ زندگی کا شعور پیدا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کتاب کی اشاعت میں معاونت فرمائیں گے۔ میری خواہش ہے کہ کتاب زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قرضے بھی ادا ہوں اور مزید اشاعت کے لئے رقم بھی دستیاب ہو سکے۔ یہ میرا ذریعۂ معاش نہیں بلکہ ایک مخلصانہ ملّی اور ملکی خدمت ہے۔ اس لئے صاحبِ استطاعت حضرات سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس سلسلہ میں معاونت بھی فرمائیں گے اور دوسرے لوگوں کو کتاب خریدنے کی ترغیب بھی دینگے۔ اسی طرح معاشرہ کو سدھارنے سے تعلق رکھنے والے ادارے بھی اپنے ماتحت اداروں کو کتاب کی اشاعت میں مدد دینے کی تلقین کرینگے

مخلص
میر غلام احمد کشفی

یہ کتاب **عبادُالرحمٰن** اس مقصد سے

تالیف کی گئی ہے کہ ہم اپنی معاشرتی زندگی کے نقائص
معلوم کریں - اور مومنانہ دیانت کے ساتھ ان کو دور کرنیکی
کوشش کریں -

کے ہاتھ میں پہنچے وہ خود پڑھنے کے بعد دوسرے کو پڑھنے کیلئے
دیدے کتاب کی زیادہ وسیع اشاعت کیلئے ادارہ کی
فراخدلانہ مالی معاونت کریں تاکہ کتاب کے مزید ایڈیشن
چھاپ کر مستحق لوگوں کو مفت مہیا کی جا سکے یا خود
مزید جلدیں خرید کر مستحق دوستوں کو دے دیں اسکا
اجر خدائے تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے گا-

میر غلام احمد کشف